آسان فقہ

تالیف

سید ہاشم موسوی

سازمانِ تبلیغاتِ اسلامی
(شعبۂ مدارس)

آسان فقہ

تالیف

سیّد ہاشم موسوی

سازمانِ تبلیغاتِ اسلامی
(شعبۂ مدارس)

نامِ کتاب ـــــــــــــــــــــــ آسان فقہ

تالیف ـــــــــــــــــــــــ سید ہاشم موسوی

ترجمہ ـــــــــــــــــــــــ حجۃ الاسلام مولانا روشن علی نجفی

ترتیب و تہذیب ـــــــــــــــــــــــ سید سعید حیدر زیدی

ناشر ـــــــــــــــــــــــ سازمانِ تبلیغاتِ اسلامی ایران (شعبہ مدارس)

تعاون ـــــــــــــــــــــــ دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

طبع اوّل ـــــــــــــــــــــــ جمادی الثانی ۱۴۱۴ھ دسمبر ۱۹۹۳ء

تعداد ـــــــــــــــــــــــ ۲۰۰۰

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب "آسان فقہ" جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے فقہی مسائل پر مشتمل تالیف ہے۔ جسے اسکول وکالج کے طلبہ کے لئے خاص طور پر ترتیب دیا گیا ہے۔ کتاب کی زبان وبیان اور مواد میں اس بات کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ طلباء بآسانی اور بغیر کسی پیچیدگی کے مسائل شرعیہ سے واقف ہو جائیں۔

کتاب کا متن فقہ جعفری کے مطابق ہے جبکہ حاشیہ میں فقہائے اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل) کی آراء درج کی گئی ہیں۔ اس طرح یہ کتاب پانچوں فقہی مذاہب کے طلبہ کے لئے مفید ہے۔

اساتذۂ کرام سے درخواست ہے کہ غسل، وضو، نماز اور سجدۂ سہو وغیرہ کے مسائل کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کریں نیز جہاں ممکن ہو عملی مظاہرے کا بھی اہتمام کریں تاکہ مسئلہ طلبہ کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اگر روزہ، فطرہ، نمازِ عید اور حج کے مسائل ان ہی ایام کے نزدیک پڑھائیں تو بہت مفید ہو گا۔

انہ نعم المولی ونعم النصیر

سازمانِ تبلیغاتِ اسلامی (شعبۂ مدارس)

فقہ کی تعریف

فقہ کی تعریف

عربی زبان میں لفظ فقہ کے معنی "سمجھنے" کے ہیں اسی لئے جو شخص قرآنِ مجید اور سنتِ مطہّرہ کو سمجھتا ہے اور ان دونوں سے اسلامی احکام و قوانین اخذ کرتا ہے اس کو "فقیہ" کہا جاتا ہے۔

فقہ کے لغوی معنی سمجھ لینے کے بعد "علمِ فقہ" کا مطلب بھی سمجھ لیجئے۔

جس علم میں اسلام کے مختلف احکام و قوانین سے بحث کی جائے مثلاً حکومت، خاندان، پیشہ، تجارت، کمپنی، بینک، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل پر بحث کرکے انہیں اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے اس علم کو "علمِ فقہ" کہتے ہیں۔

علمِ فقہ اسلام میں بہت اہمیت کا حامل ہے اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا۔

"جب خدا کسی بندے کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا کردیتا ہے"۔

اسلامی احکام کے بنیادی مصادر

جیساکہ ہم جانتے ہیں کہ علمِ فقہ ہمیں اسلام کے مختلف احکام و قوانین سے آگاہ کرتا ہے۔ یہاں اس سبق میں ہم آپ کو یہ بتانا چاہیں گے کہ اسلام کے وہ بنیادی مصادر کیا ہیں جن سے اسلامی احکام و قوانین کو حاصل کیا جاتا ہے۔

اسلام میں دو مصادر ایسے ہیں جن سے تمام مختلف اسلامی احکام و قوانین کو حاصل کیا جاتا ہے۔ اور یہی انفرادی، اجتماعی اور حکومتی احکام و قوانین، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، طہارت، عائلی احکام، زمین، قضاوت، جہاد، اقتصادیات، مالیات اور سیاست کو بیان کرتے ہیں۔ اور وہ مصادر ہیں قرآنِ مجید اور سنتِ نبویؐ۔ ہم تمام احکام ان ہی دو مصادر سے حاصل کرتے ہیں۔

تشریح

۱۔۔ قرآنِ کریم:۔

یہ مسلمانوں کا دستور اور معرفت کا سرچشمہ ہے۔ یہی اخلاق، انسانی حیات کو منظم کرنے والے اسلامی آداب اور راہِ نجات و سعادت کی وضاحت کرتا ہے۔

مسلمان اسی قرآن سے اپنے دینی احکام اور زندگی کے اصول حاصل کرتے ہیں۔ قرآن کے اندر سینکڑوں ایسی آیتیں موجود ہیں جو مختلف قوانین و احکام کے بارے میں بیان کرتی ہیں۔ وہ علماء جو اسلامی فقہ کے ماہر ہیں بہت سے احکام و قوانین کو اسی قرآن سے اخذ کرتے ہیں۔ یہ ان بہت سے مفاہیم کے علاوہ ہیں جن کو علماء باقی آیات سے بطور استفادہ حاصل کرتے ہیں۔

آیاتِ قرآنی، حیاتِ انسانی کے لئے مختلف ہدایات اور تمام قوانین کو بیان کرتی ہیں۔ باالفاظ دیگر کہا جا سکتا ہے کہ قرآن احکام کے لئے بنیادی مصدر ہے۔

۲۔۔ سنّتِ نبویؐ:۔

اسلامی شریعت کا دوسرا مصدر جس سے اسلامی احکام و قوانین حاصل کئے جاتے ہیں وہ "سنتِ نبویؐ" ہے۔ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے:۔

«ما آتاکم الرّسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا».

"رسولؐ تم کو جو دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔"

پیغمبرِ اسلامؐ کے اقوال ' افعال ' تقریرات کا نام "سنتِ نبویؐ" ہے۔ ہم ذیل میں ان اصطلاحات کی وضاحت کرتے ہیں۔

اقوال :۔

اس سے مراد پیغمبرِ اسلامؐ کی حدیثیں ' خطبے اور وہ بیانات ہیں جن کو آنحضرتؐ نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ہے۔ ہم تک آنحضرتؐ کی جو صحیح حدیثیں اور بیانات پہنچے ہیں ان کی تعداد ہزاروں ہزار ہے اور یہ سب قواعد اور تشریعی اصولوں پر مشتمل ہیں۔ ان سے ہم کو ان تمام احکام و قوانین کے جاننے میں مدد ملتی ہے جن کی ہمیں اپنی روز مرہ زندگی میں ضرورت رہتی ہے۔ مثلاً احکامِ طہارت ' عبادات ' قوانین اور اجتماعی نظام جیسے مالی ' تجارتی ' شادی بیاہ ' طلاق ' عائلی طرزِ زندگی ' زمین ' محنت مزدوری اور قضاوت وغیرہ کے احکام۔

افعال :۔

اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو وقتاً فوقتاً رسولِ خداؐ انجام دیتے تھے۔ ہم ان اعمال و افعال کو سنت سمجھتے ہیں اور ان سے ہمارے لئے وہ شرعی احکام واضح ہوتے ہیں جن کی پیروی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ اسی لئے ہم آنحضرتؐ کے افعال کی پیروی بھی کرتے ہیں اور اُن سے احکام بھی حاصل کرتے ہیں۔ قرآن نے کہا ہے :۔

«لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة...».

(سورہ احزاب ۳۳ آیت ۲۱)

تقریرات :۔

بہت سے وہ کام جو لوگ بازاروں میں یا محفلوں میں یا دوسرے مقامات پر انجام دیتے تھے اور رسولِ اکرمؐ ان کو دیکھ رہے ہوتے یا بعض حضرات خود پیغمبرؐ کے سامنے کچھ افعال بجا

لائے اور پیغمبرؐ خاموش رہے ان کاموں کی ممانعت نہ فرمائی تو اس کو ہم "تقریر" کہتے ہیں یعنی رسولِ خداؐ کی خاموشی ان اعمال کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ یہ اعمال اگر اسلام کے خلاف ہوتے تو آنحضرتؐ ان سے باز رہنے کی تلقین فرماتے۔

اس طرح تقریرِ رسولؐ کا مطلب ہے کہ "وہ افعال جنہیں دیکھ کر رسولؐ خاموش رہیں اور اُن کی مخالفت نہ کریں" کیوں کہ اگر یہ اعمال احکامِ شریعت کے خلاف ہوتے تو آپؐ خاموش نہ رہتے، بلکہ لوگوں کو ایسا کرنے سے روکتے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ سنّت سے مراد "رسول اللہ کا وہ قول یا فعل یا تقریر ہے جو صحیح ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہو"

وضاحت

شیعہ علماء[1] بارہ اماموں (حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے گیارہ معصومینؑ) کے قول یا فعل یا تقریر کو بھی سنّتِ نبویؐ کا تسلسل ہی سمجھتے ہیں کیوں کہ یہ حضرات احکامِ اسلامی کے مصدر ہیں اور رسولؐ کی طرح معصوم ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:۔

«إنّما يريد الله ليذهب عنكم الرّجس أهل البيت ويطهّركم تطهيرا».

"اے اہلِ بیتِ رسولؐ خدا کا ارادہ یہی ہے کہ تم سے تمام قسم کی گندگیوں اور پلیدگیوں کو دور رکھے اور تم کو اس طرح پاک و پاکیزہ قرار دے جو پاکیزہ قرار دینے کا حق ہے"

(سورۂ احزاب ۳۳، آیت ۳۳)

اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰؐ نے بھی ہم کو قرآن اور اہلِ بیتؑ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ انہیں دونوں پر بھروسہ کرو اور انہیں سے احکام حاصل کرو۔

۱۔ مذاہبِ اسلامی کے بعض فقہا، صحابہ کرامؓ سے صادر ہونے والی ہر چیز کو سنتِ نبویؐ کہتے ہیں۔

جلیل القدر صحابی جناب جابر ابن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ رسالتؐ نے فرمایا:-

«يا أيها الناس قد تركت فيكم، ما إن أخذتم به لن تضلوا، كتاب الله، وعترتي أهل بيتي» ا؎

صحیح سنّت کی پہچان

منافقوں اور سازشیوں نے جان بوجھ کر خصوصاً دشمنانِ اسلام اور ان میں بھی یہودیوں نے جھوٹی حدیثیں گڑھ کر ان کو رسولِ خداؐ یا ائمہ معصومینؑ کی طرف منسوب کردیا ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلام میں تحریف کردی جائے، شریعتِ رسولؐ کو برباد کردیا جائے، امتِ اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کردیا جائے۔ لیکن علماء اور علمِ حدیث کے ماہرین نے احادیث کے سلسلہ میں ایسے اصول و قوانین وضع کئے ہیں جن کی مدد سے مشکوک اور غلط احادیث الگ ہو جاتی ہیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ان علماء نے صحیح روایات اور احادیث کو کتابی صورت میں بھی جمع کردیا ہے تاکہ ان سے احکامِ شریعت حاصل کئے جاسکیں۔

صحیح حدیث تک پہنچنے کے لئے علماء نے دو بنیادی طریقے ایجاد کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱:- جن راویوں کے ذریعہ حدیث نقل ہو کر ہم تک پہنچتی ہے ان کے بارے میں چھان بین تاکہ پورا اعتماد حاصل ہوسکے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ روایت و حدیث کی سند کی تحقیق و چھان بین، کیوں کہ ہم تک حدیث انہی راویانِ حدیث کے ذریعہ پہنچی ہے۔ اگر یہ راوی سچے ہوئے تب تو ہم ان سے حدیث قبول کرتے ہیں اور اس کو صحیح مانتے ہیں لیکن اگر

ا؎ صحیح ترمذی ج ۲۔ صحیح مسلم، فضائل امام علیؑ

ان میں سے کوئی ایک بھی جھوٹا ہوا تو ہم اس کی حدیث کو کسی بھی طرح قبول نہیں کرتے۔

۲:۔۔۔ حدیث کے الفاظ و عبارات کے بارے میں اطمینان و اعتماد کا ہونا اور جس مطلب و معانی کو وہ حدیث بتا رہی ہے اس کا بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ متنِ حدیث قابلِ اعتماد و بھروسہ ہو' وہ قرآنِ کریم اور اسلام کے صحیح مفاہیم کے مطابق ہو۔

اس لئے جب ہم کو یقین ہو جائے کہ تمام راوی سچّے ہیں' مومن ہیں اور متنِ حدیث بھی قرآن کے موافق ہے تو ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اس حدیث کی تصدیق کریں اور اس کو صحیح مانیں اور اسے اپنے اعمال کے لئے اساس قرار دیں۔ اور اس سے اسلامی احکام حاصل کریں۔

چنانچہ پیغمبرِ اسلامؐ اور ان کے بعد ائمہ معصومینؑ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ حدیث اور روایت کو قرآن سے ملا کر دیکھیں اور اگر وہ قرآن کے مطابق ہو تو اسے صحیح مانیں اسی مطلب کو معصومؑ کی وہ حدیث ثابت کرتی ہے جس میں فرمایا ہے کہ:۔

"ہر حق کے اوپر ایک حقیقت ہے اور ہر صواب پر ایک نور ہے۔ جو (حدیث) کتابِ خدا کے موافق ہو اس کو قبول کر لو اور جو کتابِ خدا کے مخالف ہو اس کو چھوڑ دو"۔۱۔

اسی بات کی طرف امام جعفر صادقؑ بھی متوجہ فرماتے ہیں:۔

"ہر شے کو کتاب و سنّت پر پیش کر کے دیکھو جو حدیث قرآن کے مخالف ہو وہ باطل ہے"۔۲۔

اسی لئے ہمارا فرض ہے کہ اس وقت تک کسی حدیث کو درست نہ مانیں جب تک اس کی

۱'۲۔ اصولِ کافی جلد ا کتاب فضل العلم باب الاخذ بالسنۃ اور شواہد الکتاب ص ۶۹ طبع سوم ۱۳۸۸ھ

صحت ثابت نہ ہو جائے اور جب تک اس کا قرآن کے موافق ہونا نہ پرکھ لیا جائے۔ اسی لئے وہ تمام حدیثیں جو کتبِ احادیث یا دیگر کتابوں میں پائی جاتی ہیں، علماء ان کے بارے میں بحث و تحقیق کرتے ہیں، غیر صحیح احادیث کو چھوڑ کر قابلِ بھروسہ احادیث کو قبول کر لیتے ہیں تاکہ شریعتِ مطہّرہ انحراف سے محفوظ رہے۔

اسی بات کی طرف امام جعفر صادقؑ نے بھی متوجہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

"ہر شے کو کتاب و سنت پر پیش کر کے دیکھو جو حدیث قرآن کے مخالف ہو وہ باطل ہے"

سوال نمبر۱

الف:۔ فقہ کی تعریف کیجئے؟

ب:۔ فقہ کے اسباق سے ہم کیا سیکھتے ہیں؟ مختصراً بیان کیجئے؟

سوال نمبر۲

الف:۔ سنّتِ نبویؐ کی تعریف کیجئے؟

ب:۔ سنّت کی اقسام بیان کیجئے؟

ج:۔ علماء اہل بیتؑ کی تقریر، قول اور فعل کو احکام کا مصدر کیوں سمجھتے ہیں؟

سوال نمبر۳

الف:۔ متن اور سند کی تعریف کیجئے؟

ب:۔ امام جعفر صادقؑ کی اس حدیث کی تشریح کیجئے؟

"جو حدیث کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے"

ج:۔ یہ بتائے کہ کیا ہم ہر وہ روایت قبول کرلیں جو رسولِ خداؐ کی طرف منسوب ہے؟ یا پہلے اس کی صحت کی تحقیق کرلیں۔ اور صحت کی تحقیق کرنا کیوں ضروری ہے؟

اسلامی احکام

حکم کی تعریف:۔

انسان اپنی روز مرہ زندگی میں مختلف کام کرتا ہے۔ اگر ان مختلف کاموں پر غور کیا جائے تو ان میں سے کچھ انسانوں کے حق میں اچھے اور نفع بخش ہوتے ہیں جیسے کھانا ' پینا ' زراعت ' صنعت ' لوگوں میں صلح صفائی کرا دینا..... اور بعض نقصان دہ ہیں ' جیسے جھوٹ ' شراب خوری ' چوری ' قتل ' لواط ' غیبت..... وغیرہ۔

یہ بات بھی سب لوگ جانتے ہیں کہ انسان فطری طور سے ایک اجتماعی مخلوق ہے۔ اس کا اپنے افرادِ خاندان اور معاشرے کے ان افراد سے پالا پڑتا ہے جن کے درمیان وہ زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے! اسے اپنے ارد گرد کے ماحول سے بھی رابطہ رکھنا پڑتا ہے' جیسے میاں بیوی ' باپ بیٹے کے تعلقات یا مزدوروں کا اپنے مالکان سے معاملہ ' کسان کا زمین سے واسطہ' کرایہ دار کا مالکِ مکان سے رابطہ' بیچنے والے اور خریدار کے باہمی روابط وغیرہ۔ اور اسی طرح حکومت کا اپنے عوام اور دوسرے ممالک کی حکومتوں سے ارتباط۔

انسان جس طرح معاشرے کے دیگر افراد سے رابطہ رکھتا ہے اسی طرح اس کا اپنے خالق سے بھی واسطہ ہوتا ہے ' کیوں کہ خدا نے ہی اسے خلق کیا ہے اور اس پر نعمات کی بارش کی ہے۔

پس انسانی زندگی مختلف افعال و اعمال اور تعلقات کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ سارے اعمال

و انسانی روابط ایک نظم و ترتیب کے محتاج ہوتے ہیں۔ تاکہ اچھے اور برے، نفع بخش اور نقصان دہ میں فرق واضح رہے۔ اس نظم و ترتیب کے بغیر انسانی زندگی اور معاشرتی روابط عبث و بیکار ہو جاتے ہیں۔ اور انسان کی زندگی و مصالح کے لئے خطرہ بن جاتے ہیں(غرض انسانی زندگی قوانین اور ضوابط کی محتاج ہے)

انسان کی اسی تنظیم کے لئے پروردگارِ عالم نے شریعتوں کو نازل فرمایا اور احکام بتائے تاکہ بشریّت کو عبث و بیکاری سے نجات مل سکے اور اس کی مصلحتوں کی حفاظت کی جا سکے۔

یہیں سے ہمیں ایسے اسلامی احکام و قوانین کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے جن سے انسانی زندگی منظم ہو سکے اور اس کے روابط و مختلف ذمّہ داریوں کو معین کیا جا سکے۔

جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ۔ الٰہی احکام انسانی اعمال و روابط کی وضاحت و بیان کے لئے آئے ہیں۔ اسی لئے شریعت نے ان چیزوں کو جو انسانی زندگی کو برباد کرنے والے، نقصان دہ، ضرر رساں اور انسان کی ترقی و نمو کو روکنے والی ہیں، حرام کر دیا اور ایسے نیک اعمال جن کے بغیر انسانی زندگی صحیح نہ ہو سکے ان کو واجب قرار دیا۔ باقی اعمال کو مباح قرار دے دیا یا بعض کے بجالانے کو ترجیح دی یا بعض کے ترک کرنے کو ترجیح دی۔ اس طرح اسلام کے احکام پانچ قسموں پر منقسم ہو گئے ہیں:-

۱--- واجب

۲--- مستحب

۳--- مکروہ

۴--- حرام

۵--- مباح

انسانی اعمال کی اقسام

پس معلوم ہوا کہ تمام انسان جو اعمال بجا لاتے ہیں خواہ وہ اچھے ہوں جیسے نماز' دعا' لوگوں میں انصاف' طلبِ علم' کھانا' پینا' سفر' شادی بیاہ' زراعت' تجارت' صنعت وغیرہ یا بُرے ہوں جیسے جھوٹ' قمار بازی' ظلم' ملاوٹ وغیرہ ان کا تعلق مذکورہ بالہ پانچ اقسام ہی میں سے کسی سے ہو گا۔

۱۔ واجب:۔

واجب ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور اس کے نتیجے میں ثواب کا وعدہ کیا ہے اور نہ کرنے پر عذاب کی دھمکی دی ہے۔ جیسے نماز' روزہ' حج' جہاد' امر بالمعروف' نہی عن المنکر' حق کا دفاع' عدل کا قیام وغیرہ......

واجب ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور نہ کرنے پر عذاب کی دھمکی دی ہے۔ جیسے نماز' روزہ' حج' جہاد' امر بالمعروف' نہی عن المنکر' حق کا دفاع' عدل کا قیام وغیرہ......

۲۔ مستحب:۔

مستحب ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کے کرنے پر خدا نے اُبھارا ہو اور کرنے کے بعد ثواب دینے کا وعدہ کیا ہو۔ لیکن اگر یہ عمل انجام نہ دیں تو خدا کوئی سزا نہ دے گا جیسے دعا' شعبان کے روزے' سلام' غسلِ جمعہ وغیرہ......

۳۔ مکروہ:۔

مکروہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس کے نہ کرنے پر خدا نے اُبھارا ہو اور جب نہ کریں تو اس پر ثواب دینے کا وعدہ کیا ہو اور اگر کر ڈالیں تو سزا نہ دے گا۔ جیسے ٹھہرے ہوئے پانی میں

پیشاب کرنا، سورج نکلتے وقت تک سوتے رہنا، خوشبودار چیز کا روزے دار کو سونگھنا وغیرہ.....

۴- حرام:-

حرام ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کے کرنے کو خدا نے منع کیا ہو اور کرنے پر سزا کی دھمکی دی ہو جیسے شراب پینا، کسی کو بے گناہ قتل کرنا، جھوٹ بولنا، خیانت کرنا، ملاوٹ کرنا وغیرہ۔

۵- مباح:-

مباح ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس کے کرنے، نہ کرنے کا اختیار خدا نے ہمارے سپرد کر دیا ہو۔ جیسے کس قسم کے مکان میں رہا جائے، کون سا شغل اختیار کیا جائے یا کیا کھایا جائے، کیا پیا جائے، بس شرط صرف اتنی ہے کہ وہ شے حرام نہ ہو اور اس کے استعمال سے کسی کو ضرر نہ پہنچے۔

پس گویا تمام انسانی افعال ایک نظم و ترتیب کے پابند ہیں۔ اور یہ پابندی عائد کرنے والی چیز "اسلامی فقہ" ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اسلام نے اس کے لئے حکم بیان کر دیا ہے اور واضح و صریح قانون بنا دیا ہے، اس سے اسلام کا مقصد انسانیت کے لئے خیر و سعادت اور انسان کو خدا کی بندگی کے لئے آمادہ کرنا ہے۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں:-

"دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے لئے قرآن یا سنّت کا حکم موجود نہ ہو۔"

اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لیں، اگر اس کام سے خدا راضی ہو اور اس کے کرنے کی اجازت دیتا ہو تب تو بجا لائیں اور اگر اس کام کے کرنے سے خدا نے روکا ہو تو اس سے باز رہیں۔

سوال نمبر۱۔۔ درج ذیل چیزوں کی تعریف کیجئے؟ اسلامی احکام ' واجب ' حرام ۔

سوال نمبر۲۔۔ فقہ کے درس سے ہم کیا سیکھتے ہیں۔ مختصر لفظوں میں اس کی وضاحت کیجئے؟

سوال نمبر۳۔۔ اس حدیث کے معنی بیان کیجئے؟

"دنیا کی کوئی بھی چیز ایسی نہیں جس کے لئے قرآن یا سنّت کا حکم موجود نہ ہو۔"

واجبِ عینی اور واجبِ کفائی

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ کچھ چیزیں واجب ہیں جن کے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور ان کے چھوڑنے کو حرام قرار دیا ہے' جیسے نمازِ پنج گانہ ' روزہ' حج' امر بالمعروف نہی عن المنکر' میت کا غسل دینا' میت پر نماز پڑھنا وغیرہ۔

اور ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ واجب ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس کے کرنے پر ثواب ہو اور کرنے والے کی تعریف کی جائے اور نہ کرنے پر سزا ہو اور چھوڑنے والے کی مذمت کی جائے۔

اب یہ بتانا مقصود ہے کہ واجب کی دو قسمیں ہیں جن میں سے ایک واجبِ عینی ہے اور دوسرا واجبِ کفائی۔

۱۔ واجبِ عینی:۔

واجبِ عینی اس واجب کو کہتے ہیں جس کا بجالانا ہر مکلف پر واجب ہے اور کسی کے کرنے سے دوسرے سے ساقط نہیں ہوتا جیسے نمازِ پنج گانہ ' روزہ۔ یہ چیزیں ہر مکلف پر واجب ہیں اور ہر شخص کے لئے ان کی ادائیگی ضروری ہے اور ہر شخص سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اس کو واجبِ عینی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ہر شخص پر بذاتِ خود واجب ہوتا ہے۔

۲۔۔ واجبِ کفائی:۔

واجبِ کفائی اس واجب کو کہتے ہیں جس کے بارے میں خدا یہ چاہتا ہے کہ یہ ہو جائے خواہ اسے کوئی بھی انجام دے' اس میں کام کے ہو جانے کی شرط ہے۔ جیسے میت کو غسل دینا' میت پر نماز پڑھنا' ڈوبنے والے کو بچانا' امربالمعروف و نہی عن المنکر کرنا' لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا' حکومتِ اسلامی میں کسی ذمّہ داری کو قبول کرنا' ایسا پیشہ اختیار کرنا جس کی اسلامی معاشرے کو بہت ضرورت ہو مثلاً طبابت' ریاضی' اجتہاد۔ اگر بعض حضرات اس ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں' تو دوسروں پر یہ فریضہ عائد نہ ہو گا۔ لیکن اگر کسی نے بھی اس کو ادا نہ کیا اور پورے طور سے بجا نہیں لایا تو تمام مکلفین گنہگار ہوں گے۔ اور سب کے سب سزا کے مستحق ہوں گے۔ البتہ اگر ایک شخص بھی یہ عمل بجا لائے تو نہ بجا لانے والوں پر کوئی گناہ تو نہ ہو گا لیکن یہ لوگ ثواب سے محروم رہیں گے۔

اگر مکلفین کی ایک جماعت بعض واجبِ کفائی کو انجام دیتی ہو مثلاً امربالمعروف و نہی عن المنکر کرتی ہو یا جہاد فی سبیل اللہ کرتی ہو لیکن یہ جماعت ظلم و فساد و منکرات کے ختم کرنے پر قادر نہیں ہو پاتی یا وہ دشمن جو اسلامی شہروں پر قابض ہو چکے ہیں ان کو بھگانے میں کامیاب نہیں ہو پاتی تو صرف یہی جماعت معذور سمجھی جائے گی اور اسی کو ثواب بھی دیا جائے گا اور جن لوگوں نے اس جماعت کی مدد نہیں کی ان کو سزا ملے گی۔ کیوں کہ اس جماعت نے امربالمعروف اور جہاد کے فریضہ کو پورا کرنا چاہا لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکی اور ناکامی کی وجہ لوگوں کا عدم تعاون تھا تو ان تعاون نہ کرنے والوں سے اس بات کا حساب لیا جائے گا کہ تم نے اس جماعت کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ اور ساتھ نہ دینے کی وجہ سے انہیں سزا دی جائے گی۔

وضاحت

اگر واجبِ کفائی کا انحصار بعض اشخاص میں منحصر ہو جائے تو پھر وہ واجبِ عینی ہو جاتا ہے۔ اس بات کو مثالوں کے ذریعہ سمجھ لیجئے۔

پہلی مثال :۔۔۔ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک آدمی ڈوب رہا ہے اور اس کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے اور اس شخص کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی ڈوبنے والے کو بچا بھی نہیں سکتا تو ڈوبنے والے کو بچانا اس شخص پر واجبِ عینی ہو جائے گا۔ اور یہ شخص یہ کہہ کر نہیں بچ سکتا کہ بچانا میری ذمّہ داری نہیں تھی۔ یہی صورت اس وقت پیش آئے گی جب کسی کو خطرہ درپیش ہو اور اس خطرہ سے نجات صرف ایک شخص کے بس میں ہو تو ایسے میں اس آدمی کو خطرہ سے نجات دلانا اس شخص پر واجبِ عینی ہو جائے گا۔

دوسری مثال :۔۔۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ پورے شہر یا گاؤں میں ایک ڈاکٹر ہے یا صرف چند ہیں تو مریضوں کا علاج کرنا ان پر واجبِ عینی ہے۔ اسی طرح اگر شہر کے اندر ایک فقیہ ہے تو فتویٰ دینا/قضاوت کرنا اس کے لئے واجبِ عینی ہے۔ مختصر یہ کہ انحصار کی صورت میں واجبِ کفائی واجبِ عینی ہو جاتا ہے۔

تیسری مثال :۔ امر بالمعروف و نہی از منکر جو واجبِ کفائی ہے اگر منکر کے وقوع پذیر ہوتے وقت صرف ایک شخص یا چند اشخاص ہوں جو منکر کا مقابلہ کرنے کی قدرت رکھتے ہوں یا منکر کا مقابلہ کرنے کے لئے انحصار صرف ایک یا چند محدود افراد پر ہی ہو۔ یا اسلام کی طرف دعوت دینا صرف ایک شخص کے لئے ممکن ہو یا چند اشخاص کے لئے، تو امر بالمعروف اور نہی از منکر یا اسلام کی طرف دعوت دینا ایک یا ان چند اشخاص پر جو یہ کر سکتے ہوں واجبِ عینی ہو جائے گا۔

اسطرح بعض اوقات واجبِ کفائی واجبِ عینی ہو جاتا ہے۔

مقدمہ واجب و مقدمہ حرام

مقدمہ واجب:۔

یہ بات تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ اسلام نے بعض چیزوں کو واجب قرار دیا ہے۔ مثلاً نماز، عدل قائم کرنا، حج، طلبِ علم، والدین کے ساتھ نیکی، امربالمعروف، خدا کی راہ میں جہاد وغیرہ وغیرہ۔ اور بعض چیزوں کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے مثلاً شراب پینا، قتل کا مرتکب ہونا، کفر اختیار کرنا، ظلم پھیلانا، زمین میں فساد پھیلانا، سود لینا، ذخیرہ اندوزی کرنا (یعنی اشیائے ضرورت کو اس لئے روکے رکھنا کہ جب قیمت چڑھ جائے تب بیچیں گے جبکہ لوگوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہو)، لوگوں کے اموال کا غصب کرنا، لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا، کسی کی اہانت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اسلام نے بعض چیزوں کو واجب اور بعض کو حرام اس لئے قرار دیا ہے تاکہ سب کے لئے سعادت، امن و امان، آزادی، کرامت حاصل ہو سکے اور لوگ حق و عدالت و سلامتی و اطاعتِ پروردگار کے زیرِ سایہ زندگی بسر کر سکیں۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ بہت سے واجبات کی ادائیگی مقدمات پر موقوف ہوتی ہے، مقدمات سے ہماری مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کے بغیر واجب کی ادائیگی ممکن نہیں ہوتی مثلاً:۔

ہمارے زمانہ میں منظم فوج، جدید اسلحہ، جدید جنگی ساز و سامان کے بغیر جہاد نہیں کیا جا سکتا اس لئے لشکر کی تنظیم، لشکر کو جدید ہتھیاروں سے لیس کرنا واجب ہو گا کیوں کہ یہ چیزیں جہاد کا مقدمہ ہیں اور امن و سلامتی کا باقی رکھنا اسلام میں واجب ہے۔۔ اور اسی طرح امن کے قیام کے لئے قانون نافذ کرنے والی قوتیں فراہم کرنا اور ان کو نئے نئے آلات سے لیس رکھنا بھی واجب ہے تاکہ جرائم کا انکشاف کیا جا سکے، مجرمین کو سزا دی جا سکے۔ لہٰذا تحفظِ امنِ

عامہ کے لئے ان ہتھیاروں کا بنانا یا خریدنا بھی واجب ہو گا۔ اور اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ ان تمام وسائل و اسباب کو مہیا کرے۔

بس اسی طرح امر بالمعروف واجب ہے لیکن اس کی ادائیگی کبھی چند مومنین کے اکٹھا ہونے پر موقوف ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسی جماعت پر موقوف ہوتی ہے جو باہمی تعاون سے کام کرے۔ لہٰذا ایسی جماعت کی تشکیل بھی واجب ہو گی کیوں کہ اس کے بغیر امر بالمعروف کا فریضہ ادا نہیں ہو پائے گا۔

دوسری مثال :۔ حج واجب ہے اور لوازماتِ سفر کی موجودگی اور مسافت طے کئے بغیر حج کی ادائیگی ناممکن ہے۔ لہٰذا اسبابِ سفر مہیا کرنا اور مسافت کا طے کرنا مکلف پر واجب ہے۔

تیسری مثال :۔ نمازی کے لئے طہارت شرط ہے اس لئے بدن اور لباس کا نجاست سے پاک کرنا یا غسلِ جنابت یا وضو کرنا یا تیمم کرنا مقدمۂ واجب میں سے ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ مقدمہ بذاتِ خود واجب نہیں ہے بلکہ واجب کی ادائیگی اس کے بغیر ممکن نہیں اس لئے وہ واجب ہے۔

اگر حج واجب نہ ہو تو مکہ مکرمہ جانا ہمارے اوپر واجب نہیں ہے۔... اسی طرح کپڑے کی طہارت، وضو، غسل، تیمم براہِ راست ہمارے اوپر واجب نہیں ہے..... اسلحہ کی فیکٹری بنانا، جدید ہتھیار خریدنا ہمارے اوپر براہِ راست واجب نہیں ہے..... لیکن چونکہ واجبات ان پر موقوف ہیں اس لئے عقل کا فیصلہ ہے کہ یہ چیزیں واجب ہیں کیوں کہ اصل واجب ان کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں:۔

"جس چیز کے بغیر واجب مکمل نہ ہوتا ہو وہ چیز بھی واجب ہے"۔

پس مقدمہ، واجب تک رسائی کے لئے واجب ہوتا ہے' براہِ راست واجب نہیں ہوا کرتا۔ اسی لئے بعض علماء مقدمۂ واجب کو "فتح الذرائع" کہتے ہیں یعنی ایسے اسباب و وسائل

کا مہیا کرنا جن پر واجب موقوف ہے۔

اس لئے ہم پر یہ بات واضح ہو گئی کہ۔ جن چیزوں پر واجب کی ادائگی موقوف ہے ان کا مہیا کرنا بھی ہمارے اوپر واجب ہے۔

مقدمہ حرام :۔

جس طرح واجب کا مقدمہ اس لئے واجب ہوتا ہے کہ اس کے بغیر واجب ادا نہیں ہو سکتا اسی طرح حرام کا مقدمہ حرام ہوتا ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے آدمی حرام میں مبتلا ہوتا ہے۔

پس مقدمہ حرام کا مطلب ہے کہ ہر وہ فعل جو حرام میں مبتلا ہونے کا سبب بنے اور مقدمہ حرام بھی حرام ہے۔

مثلاً گمراہ کن کتابوں کا پڑھنا بذاتِ خود حرام نہیں ہے لیکن اگر اس کے پڑھنے سے آدمی متاثر ہو جاتا ہے اور یہ گمراہی و انحراف کا سبب بنتا ہے یعنی حرام میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بنتا ہے تو پھر ان کتابوں کا پڑھنا حرام ہے۔

مثلاً انگور کا بیچنا براہِ راست حرام نہیں ہے لیکن انگور شراب کشید کرنے کے لئے بیچنا حرام ہے۔

مثلاً گاڑی کو کرایہ پر دینا بذاتِ خود حرام نہیں ہے لیکن اس لئے کرایہ پر دینا کہ اس پر مجرم جا کر کسی بے گناہ کو قتل کرے حرام ہے۔ کیوں کہ اس کا کرایہ پر دینا حرام کام انجام پانے کا ذریعہ بنا۔

مثلاً حکومت کے کسی محکمہ میں ملازمت کرنا بنیادی طور پر حرام نہیں ہے لیکن اگر اس سے ظالم حکومت کو مدد ملتی ہو تو حرام ہے چاہے وہ پیشہ و ملازمت بذاتِ خود حلال ہو۔

پس اسلام کی نظر میں وہ تمام مقدمات جو خارجی ہوں یا داخلی اور وہ تمام اسباب جو حرام میں مبتلا ہونے کا سبب بنتے ہوں حرام ہیں۔

بعض علماء مقدمہ حرام کو "سدِّ ذرائع" کہتے ہیں یعنی ان تمام راستوں کو بند کر دینا جن سے آدمی حرام میں مبتلا ہوتا ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہر وہ عمل جس سے انسان حرام میں مبتلا ہو جائے حرام ہے چاہے وہ عمل اپنی جگہ بذاتِ خود حلال ہو۔

سوال نمبر۱:- ذیل کی عبارتوں کو مکمل کیجئے؟

(الف):- واجب کی دو قسمیں ہیں ایک .... دوسرے ....

(ب):- واجب کا مقدمہ .... ہوتا ہے اور حرام کا مقدمہ .... ہوتا ہے۔

سوال نمبر۲:- درجِ ذیل چیزوں کی مثالیں بیان کیجئے؟

(الف):- مقدمہ حرام۔

(ب):- مقدمہ واجب۔

(ج):- واجبِ عینی۔

(د):- واجبِ کفائی۔

اجتہاد

دنیا میں جتنے بھی علوم ہیں یا انسانی معارف ہیں جیسے طبیعیات ' ریاضی ' نباتات ' نحو ' صرف اور منطق وغیرہ یہ سب کے سب کچھ ایسے ماہرین (Experts) کے محتاج ہیں جو ان چیزوں کا گہرا مطالعہ کریں ' ان کے قوانین وضع کریں اور لوگوں کو ان علوم کی تعلیم دیں تاکہ لوگ ان چیزوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔

ایسے علوم و قوانین جن کا ہم اپنی کورس کی کتابوں میں مطالعہ کرتے ہیں انہیں بھی علماء نے دریافت کیا ہے۔ اور لوگوں کے لئے ان کی وضاحت کی ہے۔

اسی طرح "فقہ" یعنی اسلامی قوانین و احکام کا علم بھی ایسے ماہر علماء کا محتاج ہے جو اس کو پڑھ کر اس میں پوری مہارت حاصل کریں۔ اس کے بعد قرآن و سنت سے اسلامی احکام و قوانین کو حاصل کریں جیسے علمِ طب ' علمِ نباتات کے علماء طبی و نباتاتی قوانین' انسانی جسم اور نباتات پر تحقیق کے بعد وضع کرتے ہیں۔

قرآن و سنّت دو بنیادی مصدر ہیں جن سے علمائے اسلام احکام و قوانین اور اسلامی مفاہیم کو حاصل کرتے ہیں۔ یہ علماء فقہ اسلامی کے ماہر ہوتے ہیں اور قرآنِ کریم اور سنّتِ رسولؐ کے ذریعہ احکام و قوانینِ اسلامی اخذ کرتے ہیں۔ ان ہی علماء کو فقہا اور مجتہدین کہتے ہیں اور قرآن و سنّت سے اسلامی احکام و قوانین اخذ کرنے کو "اجتہاد" کہتے ہیں۔ پس مجتہد کی تعریف یہ ہوئی

کہ:۔

"مجتہد وہ عالم ہے جس کو کتاب و سنّت سے اسلامی احکام و قوانین اخذ کرنے پر قدرت حاصل ہو اور مجتہد ہی کو فقیہ بھی کہا جاتا ہے۔"

اس طرح اجتہاد کی تعریف یہ ہوئی کہ:۔

"اجتہاد اسلامی احکام و قوانین کو ان کے مصادر سے اخذ کرنے کے لئے علمی کوششیں صرف کرنے کا نام ہے۔"

مجتہد بننے کے لئے (یا کتاب و سنّت سے اسلامی احکام و قوانین اخذ کرنے کے لئے) علماء کا عربی زبان سیکھنا اور اس میں کافی مہارت حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ قرآن و سنّت کے معانی سمجھ سکیں اور قرآن اور اس کی تفسیر کی ایسی معرفت حاصل کر سکیں جس کے ذریعہ آیاتِ قرآنی اور سنّتِ صحیحہ سے قوانین اخذ کر سکیں اور کھوٹی کھری احادیث کو پہچان سکیں تاکہ جو صحیح ہے اس پر عمل کریں اور جو جعلی اور من گڑھت ہے اس سے اجتناب برتیں۔ اسی لئے علماء علمِ رجال بھی پڑھتے ہیں یعنی جن راویوں نے احادیث کو نقل کیا ہے ان کے حالات کا باقاعدہ مطالعہ کرتے ہیں تاکہ قابلِ اعتماد شخص سے روایت حاصل کریں اور غیر معتمد اشخاص کی روایات سے پرہیز کریں۔

کیوں کہ ایسے بہت سے جھوٹے راوی ہیں جنھوں نے اسلام میں تحریف کے لئے حدیثیں وضع کی ہیں اور سنتِ مطہرہ پر اتہامات و افتراءات کے پل باندھ دیئے ہیں۔ ہمارے یہاں ایسی احادیث اور روایات کی کمی نہیں، جو جھوٹی ہیں اور لوگوں نے خود سے انہیں گڑھا ہے۔ ہمارے علماء نے ان کی باقاعدہ تحقیق کر کے جھوٹی اور سچی احادیث کو الگ کر دیا ہے تاکہ ہم دھوکا نہ کھا سکیں۔

اجتہاد کی ضرورت

انسانی معاشرہ ہمیشہ سے روبہ ترقی ہے۔ انسان کی ضرورتیں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ ایسی ایسی چیزیں وجود میں آگئی ہیں جن کا پہلے تصور بھی نہ تھا۔ مثلاً بینک، بیمہ کمپنیاں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور بہت سی دیگر چیزیں ..... ساتھ ہی ہمیں اپنی زندگی میں حرام و حلال کی تمیز کرنے کے لئے اسلامی احکام و قوانین کی بھی ضرورت ہے۔

لہٰذا اگر معاشرہ میں فقہا نہ ہوں تو پیش آمدہ مسائل کے لئے قرآن اور سنّت سے اسلامی احکام و قوانین کون اخذ کرے گا۔؟

اس لئے ایسے فقہا و مجتہدین کا ہونا ضروری ہے جو ہر معاملہ و مسئلہ کا قرآن و سنّت کی روشنی میں فیصلہ کر سکیں کہ یہ حرام ہے اور یہ حلال......

مثلاً ..... اگر ایک روزہ دار دوا کا محتاج ہے اور یہ دوا انجکشن کے ذریعہ رگ و پٹھے میں پہنچائی جاتی ہے۔ تو اب اگر فقہا نہیں ہیں تو کون اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ یہ کام جائز ہے یا ناجائز ہے، اس سے روزہ باطل ہوتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ علاج رسولِ اکرمؐ کے زمانہ میں موجود نہیں تھا۔ اگر ان کے زمانہ میں ہوتا تو ہم براہِ راست سنّتِ نبویؐ سے اس کا حکم معلوم کر لیتے۔ اب اس مسئلہ کے لئے قرآن و سنّت کو سامنے رکھ کر حکم معلوم کرنا ہوگا اور جو شخص یہ حکم اخذ کرے گا وہی فقیہ کہلائے گا۔

فقیہ ہی اسلامی شریعت کا ماہر ہوتا ہے اور وہی اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس طریقۂ علاج سے روزہ باطل ہوگا یا نہیں۔ اب مثلاً وہی فیصلہ کرتا ہے کہ روزہ دار کا روزہ اس طریقۂ علاج سے باطل نہیں ہوتا ہے۔

تقلید

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اسلامی احکام اور اس کے ضروری قوانین سیکھے جیسے نماز، روزہ، زکات، تجارت، شادی بیاہ اور طلاق وغیرہ وغیرہ کے احکام تاکہ اسی کے مطابق عمل کر سکے ..... لیکن شریعت کے مسائل میں مہارت حاصل کرنا ہر کس و ناکس کے لئے ممکن نہیں یعنی ہر شخص فقیہ نہیں بن سکتا۔ لہٰذا لوگوں کا فرض ہے کہ دینی مسائل معلوم کرنے کے لئے فقیہ سے رجوع کریں اور اس سے احکام معلوم کرکے ان ہی کے مطابق عمل کریں۔ یہی چیز یعنی فقیہ سے احکام و قوانین کو حاصل کرکے اس کے مطابق عمل کرنا "تقلید" کہلاتی ہے۔ لہٰذا تقلید کی تعریف یہ ہوئی کہ:۔

تقلید: یعنی فقیہ کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا"۔

جس طرح دنیاوی مسائل کے حل کے لئے لوگوں کو ان مسائل کے ماہرین سے رجوع کرنا پڑتا ہے، جیسے عمارت کی تعمیر کے لئے معمار سے، بیماری کی صورت میں ماہر ڈاکٹر سے۔ اسی طرح اسلامی احکام کے حصول کے لئے انہیں فقیہ سے رجوع کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ فقیہ ہی اسلامی احکام کا ماہر ہوتا ہے اور یہیں سے ہم پر تقلید کی اہمیت و ضرورت واضح ہوتی ہے۔

مرجع تقلید

مسلمانوں کو جس فقیہ کے فتویٰ کے مطابق اپنے اعمال انجام دینے چاہئیں یعنی جس کی تقلید کرنی چاہئے، اس میں بعض خصوصیات و شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ صرف ایسے ہی شخص کی تقلید کی جا سکتی ہے جس میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:۔

۱۔۔ بالغ ہو — ۲۔۔ عاقل ہو

۳۔۔ مرد ہو — ۴۔۔ حلال زادہ ہو

۵-- ایمان ' استقامت اور تقویٰ کا مالک ہو

۶-- مجتہد ہو ۷-- زندہ ہوا۔

سوال نمبرا۔ مندرجہ ذیل الفاظ کی تشریح کیجئے؟:۔
اجتہاد ۔ مجتہد یا فقیہ ۔ تقلید ۔
سوال نمبر۲۔ معاشرہ میں فقیہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس بات کی وضاحت کیجئے؟
سوال نمبر۳۔ خالی جگہوں کو پر کیجئے؟
فقیہ اسلامی احکام دو بنیادی چیزوں سے اخذ کرتا ہے۔ ایک...... اور دوسرے......

ا۔ بعض اسلامی مذاہب مردہ فقیہ کی تقلید جائز سمجھتے ہیں۔

فقہی قاعدے

ہر علم میں خواہ وہ صرف و نحو ہو یا طبیعیات و ریاضیات یا کوئی اور علم اِن تمام علوم میں کچھ ایسے عام قاعدے ہوتے ہیں جو ہر حالت پر منطبق ہوتے ہیں مثلاً نحو کا ایک کلّی قاعدہ ہے کہ مفعول بہ منصوب ہوتا ہے اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے۔ اب ہم ان دونوں قاعدوں کو ہر اس اسم پر منطبق کرسکتے ہیں جو مفعول بہ ہو یا مبتدا واقع ہو ۔ چنانچہ مفعول بہ کو زبر اور مبتدا پر پیش لگائیں گے۔

دوسرے علوم کی مانند علمِ فقہ میں بھی ایسے ہی اصول و قواعد پائے جاتے ہیں اِن قواعد کو ہم اُن موضوعات میں اپنا شرعی فریضہ معین کرنے کے لئے منطبق کرتے ہیں جن پر وہ منطبق ہوسکتے ہوں۔ لہٰذا قاعدے کی تعریف یہ ہوئی کہ:-

"وہ عام حکم جو ایک جیسے حالات پر منطبق ہو اس کو قاعدہ کہتے ہیں"۔

ذیل میں ہم بعض فقہی قاعدوں کو سمجھنے کے لئے ان موضوعات پر منطبق کرتے ہیں جن پر وہ منطبق ہوسکتے ہیں اور اس طرح ہم اپنی شرعی تکلیف معیّن کرکے دیکھتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل درست ہے یا نہیں! فقہ کے چند قواعد درجِ ذیل ہیں۔

۱۔۔۔ قاعدۂ طہارت

۲۔۔۔ قاعدۂ فراغ

۳۔۔۔ قاعدۂ لا ضرر ولا ضرار

وضاحت:۔

بعض کلموں کو ہم بعض مخصوص معنی میں استعمال کریں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ان معانی کی وضاحت کردیں، کیوں کہ ان معانی کا ہماری شرعی ذمّہ داری سے اچھا خاصا رابطہ ہے۔

۱۔۔۔ یقین

۲۔۔۔ شک

۳۔۔۔ ظن

ان میں سے ہر ایک کے بارے میں مختصر وضاحت درجِ ذیل ہے۔

یقین:۔

یہ واضح سی بات ہے کہ انسان جن چیزوں کا علم رکھتا ہے تو کبھی تو اسے اس بارے میں کامل علم ہوتا ہے، اس میں کسی قسم کا شک یا شبہ نہیں ہوتا مثلاً یہ معلوم ہو کہ یہ "شراب" ہے یا یہ "غصبی مال" ہے یا یہ امامِ جماعت عادل ہے۔ کبھی اسے یہ علم ذاتی اطلاع اور حسی معرفت کی بنا پر ہوتا ہے اور کبھی دلیلوں اور صحیح گواہیوں کی بنا پر، اسی چیز کو ہم یقین کہتے ہیں۔ پس اس طرح یقین کی تعریف یہ ہوئی کہ:۔

"کسی چیز کے بارے میں سو فیصد بغیر کسی شک وشبہ کے کامل علم کا حاصل ہونا یقین کہلاتا ہے"۔

شک :-

جس طرح انسان کو کسی چیز کے بارے میں یقین اور کامل علم ہوتا ہے اسی طرح کبھی کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں شک بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کبھی نماز پڑھنے کے بعد انسان کو تردد ہو جاتا ہے کہ میں نے جو نماز پڑھی ہے وہ صحیح پڑھی ہے یا غلط پڑھی ہے؟ یا یہ کپڑا جو پہنا ہوا ہے نجس ہے یا پاک ؟۔ یا یہ دھبہ جو نظر آ رہا ہے خون ہے یا کوئی اور چیز؟ یا فلاں چیز غصبی ہے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

پس یہ شخص بے اطمینانی کا شکار ہے' اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے اس کو ثابت کر سکے یا اس کی نفی کر سکے' یا ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکے۔ اسی حالت کو شک کہا جاتا ہے۔ یعنی پچاس فیصد ذہن ایک طرف رہتا ہے اور پچاس ہی فیصد دوسری طرف۔

ظن :-

جس طرح انسان میں یقین کی حالت اور کبھی شک کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح کبھی انسان میں ظن کی حالت پیدا ہوتی ہے۔

ظن کا مطلب دونوں طرف میں سے کسی ایک طرف کا رجحان ہے۔ یعنی وہ کسی چیز کے حاصل ہونے کے بارے میں یا نہ حاصل ہونے کے بارے میں ایسا احتمال دیتا ہے جو پچاس فیصد سے زیادہ ہے۔ مثلاً اس کے پاس ایسے بہت سے قرائن موجود ہوں کہ جن سے پتہ چلتا ہو کہ اس کے پاس جو مال موجود ہے وہ غصبی ہے' یہ حالت یقینی تو نہیں ہے لیکن شک سے زیادہ بلند و برتر ہے۔ اس قسم کے رجحان کو ظن کہا جاتا ہے۔

پس علمِ انسان کی تین قسمیں ہیں:-

۱--- مرتبہ یقین

۲--- مرتبۂ شک

۳--- مرتبۂ ظن

ان اصطلاحات کے جاننے کے بعد اب ہم چند فقہی قواعد کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

۱--- قاعدۂ طہارت

شریعتِ اسلامیہ کی بنیاد انسانی زندگی کی آسانی پر رکھی گئی ہے تاکہ انسان پریشانی و اضطراب اور نفسیاتی اذیتوں مثلاً شک و وسوسہ سے دور زندگی بسر کرسکے۔ اور ان احکام میں سے جو انسان سے دقت و دشواری کو دور کرتے ہیں اور دلوں سے وسوسوں اور شکوک کو زائل کرتے ہیں' ایک حکم "قائدۂ طہارت" کا ہے۔ یہ قاعدہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ انسان کے لئے ہر چیز پاک ہے جب تک اس کی نجاست کا علم نہ ہو جائے یعنی جس چیز کی نجاست کے بارے میں ہمیں شک ہو جائے اسے ہم پاک قرار دیں گے اور کہیں گے کہ یہ چیز پاک ہے۔

مثلاً اگر کسی کو شک ہو جائے کہ اس کے کپڑے یا اس کا بستر یا کوئی دوسری چیز کسی نجاست سے نجس ہو گئی ہے یا نہیں' یا یہ شک ہو کہ یہ چیز نجس ہے یا طاہر تو جب تک ہم کو شک رہے گا اور یقین حاصل نہ ہو گا ہم اس چیز کو پاک سمجھیں گے۔ پس اگر کپڑے کا مسئلہ تھا تو اس کو پہنے ہوئے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

ایک اور مثال لیجئے: انسانی خون اور پیشاب نجس ہے لیکن اگر ہمیں شک ہو کہ پیشاب یا خون لباس پر لگا ہے یا نہیں' یا جس برتن کو ہم استعمال کرنا چاہتے ہیں اس میں خون یا پیشاب گرا ہے یا نہیں تو ہم اس کو پاک سمجھیں گے اور اس لباس کو پاک کیے بغیر استعمال کرسکتے ہیں اور اس کو پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں اور برتن کو دھوئے بغیر اس میں کھا پی سکتے ہیں۔

۲--- قاعدۂ فراغ

اگر کوئی عمل انجام دینے کے بعد شک ہو کہ وہ صحیح طرح ادا ہوا ہے یا نہیں تو اس عمل کو قاعدۂ فراغ کی رو سے صحیح مانا جائے گا۔

مثلاً ایک شخص کو نماز ختم کرلینے کے بعد شک ہو کہ رکوع کیا تھا یا نہیں؟ یا نماز میں قبلہ رخ تھا یا نہیں؟ یا نماز پڑھتے وقت باوضو تھا یا نہیں؟ تو اس کی نماز صحیح ہے' نہ اسے نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی قضا کرنے کی ضرورت۔

اسی طرح وضو یا غسل کرلینے کے بعد شک ہو کہ اس کا وضو یا غسل صحیح تھا یا نہیں؟ تو اس کا وضو یا غسل صحیح ہے اس کو دوبارہ غسل یا وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

پس قاعدۂ فراغ کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ عمل جس کے ختم کرلینے کے بعد اس کی صحت کے بارے میں شک ہو' وہ صحیح ہے۔

۳--- قاعدۂ لا ضرر ولا ضرار

اسلام ایک الٰہی پیغام ہے جو لوگوں کے فائدے اور مصلحت کی خاطر اور ان سے نقصان اور مشکلات دور کرنے کے لئے آیا ہے۔ اسلامی احکام و قوانین اور اس کے بیان کئے ہوئے حلال و حرام' اس کے تعلیم کئے ہوئے اخلاق و آداب سب ہی میں یہ بات پائی جاتی ہے۔

رسولِ اسلامؐ نے اس قانون کی ان الفاظ میں وضاحت فرمائی ہے کہ

"لاضرر ولا ضرار"[۱]

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ سمرہ بن جندب کا کھجور کا پھلدار درخت ایک باغ میں تھا اور باغ کے دروازے پر ایک انصاری کا مکان تھا۔ سمرہ اس انصاری سے اجازت

۱۔ یہ حدیث ابن ماجہ ج ۲ صفحہ ۷۸۴۔ حدیث نمبر ۲۳۴۰ میں موجود ہے۔ اور کافی میں بھی ہے۔

لئے بغیر اپنے درخت کے پاس جایا کرتا تھا۔ انصاری نے سمرہ سے کہا کہ تم اطلاع دے کر جایا کرو۔ جب سمرہ نے اس کی بات نہ مانی تو انصاری، رسولِ خداؐ کے پاس آیا اور واقعہ کی اطلاع دے، کر شکایت کی۔ رسولِ خداؐ نے سمرہ کے پاس آدمی بھیج کر انصاری کی بات اور شکایت پہنچائی اور فرمایا "جب تم کو جانا ہوا کرے تو اجازت لے کر جایا کرو"۔ لیکن سمرہ نے یہ بات بھی قبول نہ کی آنحضرتؐ نے فرمایا "اس درخت کو فروخت کر دو"۔ اور بہت زیادہ قیمت لگا دی لیکن سمرہ فروخت کرنے پر بھی راضی نہ ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا "تم کو اس کے بدلہ میں جنت میں درخت دے دیا جائے گا۔ تم اس سے دست بردار ہو جاؤ"۔ اس نے اس پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا۔ تو رسولِ خداؐ نے انصاری سے فرمایا "تم جاؤ اور اس درخت کو کاٹ کر پھینک دو۔ کیوں کہ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار"۔ [1]

اس واقعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رسولِ خداؐ نے کس طرح اپنے ایک صحابی (سمرہ) کو پڑوسی کو تنگ کرنے اور اسے تکلیف پہنچانے سے منع فرمایا اور اس سے کہا کہ اگر وہاں سے گزرنا ہے تو اطلاع دے کر اور اجازت لے کر گزرا کرو۔

اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خود انسان کو اپنے حق یا اپنی ملکیت کو اس طرح استعمال کرنے کا حق نہیں ہے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے۔ یہ واقعہ افراد و جماعتوں کے درمیان روابط برقرار رکھنے میں بطورِ عموم بہت بڑا کردار ادا کرتا ہے تاکہ نہ کسی کو ضرر پہنچے اور نہ وہ کسی کو ضرر پہنچائے۔

نیز اس قاعدہ کے ذریعہ عبادات و معاملات و اجتماعی روابط اور شخصی حالات میں بھی بہت سے احکام حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً۔

۱۔ البہودی۔ صحیح کافی طبع اوّل جلد ۲ صفحہ ۳۸۷

۱--- پروردگارِ عالم نے ہم پر جو فرائض واجب کئے ہیں اگر کسی وقت ان سے صحت کو یا مال یا ذات کو ایسا نقصان پہنچنے کا امکان ہو جس کو برداشت کرنا ہمارے بس میں نہ ہو تو وہ فرائض ہم سے ساقط ہو جائیں گے۔

جیسے ہم جانتے ہیں کہ خدا نے ہمارے اوپر روزہ واجب کیا ہے لیکن اگر روزے سے صحت کو ضرر پہنچنے لگے تو روزہ معاف ہے۔ البتہ کفارہ دینا ہو گا۔ اسی طرح حیض و جنابت کے بعد نماز پڑھنے کے لئے غسل یا وضو واجب ہے لیکن اگر غسل یا وضو انسان کی صحت کو نقصان پہنچانے کا موجب ہو یا پانی اتنا مہنگا ہو جائے جس کا خریدنا انسان کی طاقت سے باہر ہو تو وضو اور غسل ساقط ہو جاتا ہے اور اس کے بدلہ میں تیمم کرنا چاہئے۔

۲--- دوسروں کو ضرر نہ پہنچانے کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کھیت کو سیراب کرنے کے لئے اتنی لمبی اور گہری نالی بنا دے جس میں سارا پانی چلا آئے اور دوسرے کسانوں کا کھیت پانی نہ ملنے کی وجہ سے سوکھنے لگے تو ایسی نالی بنانا حرام ہو گا۔ کیوں کہ اس سے دوسرے کسانوں کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ صرف اتنا پانی لے جس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے۔

۳--- فرض کیجئے بازار میں ایک بہت بڑا تاجر ہے اور وہ پورے بازار پر اپنا کنٹرول رکھنے کے لئے اپنے مال کو معمولی قیمت پر بیچنے لگے تاکہ دوسرے تاجروں کو گھاٹا ہو تو یہ اقدام حرام ہے۔ اور وہ اپنے اس عمل کے جواز کے لئے یہ کہنے کا حقدار نہیں کہ "یہ میرا مال ہے میں جس قیمت پر چاہوں بیچ سکتا ہوں" کیوں کہ اس کا یہ عمل دوسروں کو نقصان پہنچانے کا موجب ہے، جو فعلِ حرام ہے..... اسی طرح ہر صاحبِ حق اگر اپنے حق کو اس طرح استعمال کرنا چاہے جس سے دوسروں کو ضرر پہنچے تو یہ حرام ہے اور کسی کو بھی اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں جو ضرر کا موجب ہو اور اسلام کی نظر

میں ضرر خواہ انسان خود کو پہنچائے یا کسی دوسرے کو، وہ بہر حال حرام ہے۔ اس کی کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی جا سکتی اور کوئی شخص بھی اپنی ملکیت، مال یا حق کو اس طرح استعمال نہیں کر سکتا جس سے دوسروں کو ضرر پہنچے جیسا کہ رسول اللہؐ نے سمرہ بن جندب کے واقعہ میں وضاحت فرما دی۔

آنحضرتؐ نے سمرہ کو اس طرح اپنے درخت تک جانے سے روک دیا جس سے انصاری کو ضرر پہنچے اور جب وہ نہیں مانا تو اس کو اپنا حق ترک کرنے پر مجبور کیا اور جب یہ بھی قبول نہ کیا تو آنحضرتؐ نے انصاری کو حکم دیا کہ اس کا درخت اکھاڑ کر پھینک دو!

مشق

سوال نمبر۱۔۔ اگر آپ کو شک ہو جائے کہ آپ کے کپڑے پر خون کی نجاست یا پیشاب لگ گیا ہے تو آپ اپنے کپڑے کو پاک سمجھیں گے یا نجس؟ جس قاعدہ پر اعتماد کرکے آپ یہ حکم لگا رہے ہیں اس قاعدہ کو بیان کیجئے؟

سوال نمبر۲۔۔ درجِ ذیل قاعدے کا نام بتائیے۔

"جس عمل کو ختم کرنے کے بعد اس کی صحت میں شک ہو جائے ہم اس کو صحیح مانیں گے۔"

سوال نمبر۳۔۔ درجِ ذیل عبارتوں کو مکمل کیجئے۔

۱۔۔۔ کسی چیز کے بارے میں .... کامل علم کا حاصل ہونا یقین کہلاتا ہے۔

۲۔۔۔ شک اس حالت کو کہتے ہیں کہ جب ...... ذہن ایک طرف ہو ...... دوسری طرف۔

۳۔۔۔ ظن کا مطلب ہے دونوں طرف میں سے...... ہونا۔

سوال نمبر۴۔۔ سمرہ بن جندب کے واقعہ کے ذریعہ رسولِ اسلامؐ کے اس قول "لا ضرر ولا ضرار" کی تشریح کیجئے۔

طہارت و پاکیزگی

شریعتِ اسلامی نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ انہیں میں سے ایک پہلو طہارت و پاکیزگی ہے۔ چنانچہ بعض عبادتوں کی ادائیگی' جیسے نماز اور خانہ کعبہ کے طواف وغیرہ کے لئے طہارت اور نجاستوں سے پاکیزگی ہر مسلمان پر واجب قرار دی گئی ہے۔ اسی لئے اگر جسم یا لباس یا سجدہ کرنے کی جگہ پر نجاست ہو تو نماز باطل ہے۔

نجاستوں کی تعداد محدود و معین ہے' جیسے پیشاب' پاخانہ' خون وغیرہ..... عبادت کے موقع پر طہارت کے لئے ان نجاستوں سے پاکیزگی ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے۔ شرعی طہارت جس طرح نجاستوں سے نجات دیتی ہے اسی طرح جسمانی صحت کے لئے بھی مفید ہے۔ جسم کو بیماریوں اور مضرِ صحت جراثیم سے محفوظ رکھتی ہے' انسان کو خوش نما بناتی ہے اور اس کے دل میں صفائی و پاکیزگی سے محبت پیدا کرتی ہے اور اس سے نفس اور ضمیر بھی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

نجاسات

نجاسات محدود و معین ہیں اور ان کے نقصانات و مضرات بھی واضح ہیں ـــــ اسلام نے نجاسات کو دور کر کے پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض عبادتوں کے صحیح ہونے کی

شرط بھی پاکیزگی قرار دی ہے۔ درج ذیل سطور میں نجاسات اور ان کے بعض احکام بیان کئے جائیں گے۔

۱، ۲: پیشاب، پاخانہ: انسان اور حرام گوشت جانور کا پیشاب و پاخانہ نجس ہے اور مچھلی، حشرات الارض، کیڑے مکوڑے، حلال گوشت جانور۔ جیسے بھیڑ بکری وغیرہ کا پیشاب و پاخانہ پاک ہے۔

۳، ۴: خشکی پر رہنے والے کتے اور سور نجس ہیں لیکن سمندری کتا اور سور پاک ہیں۔

۵: ذاتی طور پر سیال اور نشہ آور چیزیں نجس ہیں اور انہیں کی طرح جو کی شراب (بیئر) بھی نجس ہے۔ ۱۔

۶: مردار ۲۔: انسان اور حیوان کا مردہ اور اسی طرح اس کی زندگی میں اس کے جسم سے جدا کئے ہوئے جسم کے اجزاء (جیسے ٹانگ، کان، ناک، گوشت کا ٹکڑا) سب نجس ہیں۔ لیکن مچھلی کا مردہ، حشرات الارض کا مردہ، کیڑے مکوڑوں کا مردہ نجس تو نہیں ہیں مگر گندی چیزوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

نوٹ: مردے کے وہ اجزاء جن میں روح نہیں ہوتی جیسے اون، بال، ناخن، کُھر وغیرہ پاک ہیں۔

۷: منی: انسان ہو یا پرندے یا حیوان سب کی منی نجس ہے۔ ۳۔

۸: خون: انسان ہو یا پرندے یا حیوان سب کا خون نجس ہے۔ البتہ حشرات الارض کیڑے

۱۔ بعض فقہا بیئر کے استعمال کو حرام سمجھتے ہیں لیکن اس کے پاک ہونے کے قائل ہیں۔

۲۔ فقہ جعفری اور فقہ حنفی کے نزدیک انسان کا مردہ نجس ہے۔

۳۔ جو حیوان خون جہندہ نہ رکھتا ہو اس کی منی تمام مذاہب کے نزدیک پاک ہے لیکن شافعی حضرات صرف کتے اور سور اور حنبلی حضرات صرف حرام گوشت حیوان کی منی کو نجس سمجھتے ہیں۔

مکوڑوں، مچھلی اور خون جہندہ نہ رکھنے والے حیوان کا خون پاک ہے۔

نوٹ:- ذبیحہ کا معمول کے مطابق خون نکل جانے کے بعد جو خون ذبح کے بعد جسم میں رہ جائے وہ پاک ہے بشرطیکہ اس میں کوئی دوسری نجاست شامل نہ ہو۔

۹: کافر: کافر اگر غیر کتابی ہے تو متفقہ طور پر نجس ہے لیکن اگر کتابی ہے، جیسے عیسائی، یہودی تو بعض فقہا کے نزدیک یہ پاک ہیں بشرطیکہ خارجی نجاستوں سے پرہیز کرتے ہوں، جیسے شراب، سور کا گوشت وغیرہ۔

۱۰: نجاست خور حیوان کا پسینہ: یعنی وہ حیوان جو صرف انسان کا پاخانہ کھاتے ہوں (اگر ان کا استبرا نہ کیا جائے) تو ان کا پسینہ نجس ہے۔

اپنی صحت کی حفاظت، طہارت و پاکیزگی کے حصول اور فرمان خداوندی کے تحت ادائے عبادات کے لئے پاک پانی سے ان نجاستوں کو دور کرنا واجب ہے۔

نوٹ:-

نجاسات ان معین چیزوں کو کہتے ہیں کہ اگر وہ لباس یا جسم پر موجود ہوں تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور خانہ کعبہ کا طواف بھی باطل ہو جاتا ہے لیکن "قاذورات" ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کے لباس یا جسم پر ہونے سے نماز یا طواف باطل نہیں ہوتا مگر اسلام ان چیزوں کو ناپسند کرتا ہے اور ان سے پرہیز کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ رسولِ خدا نے قذر (گندے) انسان کی انتہائی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "بہت ہی بُرا ہے وہ شخص جو گندا رہتا ہو۔"

اسی طرح پاکیزگی و صفائی کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"اسلام پاکیزہ ہے لہٰذا تم لوگ بھی پاکیزہ رہو۔"

اسلام ہر مسلمان سے تقاضہ کرتا ہے کہ وہ پاک وصاف رہے۔

نجاست کیسے منتقل ہوتی ہے؟

ہم نے جن نجاستوں کا اوپر ذکر کیا ہے ان کے ایک جسم سے دوسرے جسم تک منتقل ہونے کے لئے تری کا ہونا ضروری ہے' یعنی اگر کوئی پاک چیز نجس چیز سے مل جائے اور دونوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک اتنی گیلی ہو کہ ایک کی تری دوسرے تک پہنچ جائے تو پاک چیز نجس ہو جائے گی لیکن اگر یہ دونوں خشک حالت میں آپس میں ملیں تو پاک چیز نجس نہیں ہوگی۔ خواہ کوئی جسم ہو' لباس ہو یا برتن وغیرہ۔

سوال نمبر۱-- خالی جگہ پر کیجئے۔

نجاست اس وقت تک پاک چیزوں کی طرف منتقل نہیں ہوتی جب تک دونوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک..... نہ ہو۔

سوال نمبر۲-- صحیح جواب کے سامنے یہ علامت (✓) اور غلط جواب کے سامنے یہ علامت (✗) لگایئے؟

الف:- مچھلی کا خون نجس ہے۔

ب:- پرندوں اور بھیڑوں کا پاخانہ پاک ہے۔

ج:- مردہ بھیڑ پاک ہے۔

سوال نمبر۳-- نجاستوں سے کیوں بچنا چاہیے؟

سوال نمبر۴-- چیزیں کیسے نجس ہو جاتی ہیں؟

مطہّرات
(پاک کرنے والی چیزیں)

اس سے پہلے والے سبق میں ہم نے ان نجاستوں کا تذکرہ کیا ہے جن کا نماز پڑھنے کے لئے جسم ولباس سے دور کرنا واجب تھا۔ اب اس سبق میں ہم ان چیزوں کا ذکر کریں گے جو نجاستوں کو دور کردیتی ہیں۔ ان چیزوں کو مطہّرات کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

پانی، زمین، سورج، استحالہ، انقلاب اور اسلام۔ ان میں سے ہر چیز پاک کرنے والی ہے، یہ اور بات ہے کہ ان کے پاک کرنے کا طریقہ الگ الگ ہے۔

پاک پانی

ارشادِ ربّ العزت ہے

وانزلنا من السماء ماءً طهورا

"اور ہم نے آسمان سے پاک پاکیزہ پانی برسایا ہے"

(سورہ فرقان ۲۵ آیت ۴۸)

اسلام صفائی اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ کثافت ونجاست کو بالکل دوست نہیں رکھتا، اسی لئے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس کا جسم، لباس اور اس کے سجدہ کی جگہ پاک وپاکیزہ ہو۔ اور یہ چیزیں نجاستوں یعنی پیشاب، پاخانہ، خون، کتا، سور یا مردار سے آلودہ نہ ہوں اور

اگر آلودہ ہو جائیں تو انہیں فوراً پاک کریں۔ ان چیزوں کے پاک کئے بغیر نماز درست نہیں ہو سکتی۔ اور نماز پڑھنے کے لئے وضو بھی واجب قرار دیا گیا ہے۔

ہم نجاست کو دور بھی کرتے ہیں اور وضو بھی کرتے ہیں۔ ان دونوں چیزوں کے لئے پانی ضروری ہے۔ یہ بات یاد رکھئے کہ جس پانی سے نجاست دور کی جائے یا جس سے وضو کیا جائے اس میں مندرجہ ذیل خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے:۔

۱ــ پانی قدرتی ہو۔ جیسے بارش، نہر، سمندر، کنوئیں یا نل کا پانی۔

۲ــ پانی مطلق ہو مضاف نہ ہو۔ یعنی اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو جس سے اس کا رنگ، بو یا مزہ بدل جائے۔ جیسے عطریات، صابن، رنگ، پھلوں کے رس وغیرہ اس میں پڑے نہ ہوں۔ اس لئے کہ ایسے پانی سے وضو درست نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے جسم، لباس یا برتن پاک ہو سکتے ہیں جس میں اتنے عطریات ہوں یا پھلوں کا رس ہو جس نے پانی کے رنگ، بو یا مزے کو بدل دیا ہو۔

۳ــ جس پانی سے وضو کرنا ہے یا نجاست کو پاک کرنا ہے اس کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی اس میں کوئی نجاست نہ ملی ہو لہٰذا اگر لوٹے کے پانی میں ایک قطرہ پیشاب یا خون کا پڑ گیا ہو یا جس چھوٹے سے برتن سے وضو کرنا چاہتے ہیں اس سے کتے نے پانی پی لیا ہو تو پانی نجس ہو جائے گا نہ اس سے وضو صحیح ہے اور نہ اس سے نجس چیز کو پاک کیا جا سکتا ہے۔

۴ــ وضو کے پانی کو حلال ہونا چاہئے۔ یعنی چوری کا یا غصبی نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ خدا نے حرام قرار دیا ہے کہ ہم لوگوں کا مال ان کی رضامندی کے بغیر استعمال کریں۔ خدا راضی نہیں ہے کہ ہم پانی چوری کریں یا غصب کریں پھر اس پانی سے وضو کریں۔

پاک پانی سے طہارت کا طریقہ

الف -- پیشاب سے نجس شدہ چیزوں کو آبِ قلیل ۱؎ سے دو مرتبہ دھونا چاہئے البتہ برتنوں کو تین مرتبہ دھونا چاہئے۔

ب -- اگر آبِ کثیر جیسے نہر یا سمندر کا پانی ہو تو اس سے نجاست دور ہوتے ہی چیز پاک ہو جائے گی اور دو مرتبہ یا زیادہ دھونے کی کوئی شرط نہیں ہے۔

ج -- اگر کسی برتن میں چوہا ۲؎ مر جائے تو برتن کو پاک کرنے کے لئے اس کو سات مرتبہ پانی سے دھونا چاہئے البتہ باقی نجاسات جیسے خون 'پاخانہ وغیرہ تو ان کے زائل کرنے کے بعد (یعنی پانی سے دھو لینے کے بعد) وہ چیزیں پاک ہو جاتی ہیں۔ انہیں دو مرتبہ دھونے کی شرط نہیں ہے۔

د -- اگر کتا کسی برتن کو چاٹ لے تو پہلے اس کو ایک مرتبہ مٹی سے جس میں تھوڑا پانی ملا ہوا ہو مانجھ لیں پھر آبِ قلیل ۳؎ سے دو مرتبہ اور آبِ کثیر سے ایک مرتبہ دھونے سے یہ برتن پاک ہو جائے گا۔

ح -- جب ہم آبِ قلیل سے کسی چیز کو دھوئیں تو اگر وہ چیز نچوڑی جا سکتی ہو تو ایک مرتبہ

۱؎ آبِ قلیل سے مراد وہ پانی ہے جو کُر سے کم ہو اور کُر ۲۷ بالشت مکعب کا ہوتا ہے یا ۳۵۷/۲۰۰ سنٹی میٹر مکعب کا ہوتا ہے۔

۲؎ اس سے مراد وہ بڑے جنگلی چوہے ہیں جو صحرا میں ہوتے ہیں گھروں میں ہونے والے چوہے مراد نہیں ہیں۔

۳؎ امام مالک کے مطابق جس برتن کو کتا چاٹ لے اس کو سات مرتبہ دھونا چاہئے۔ یہ نجاست کی بنا پر نہیں بلکہ تعبدی حکم ہے۔ اور شافعی اور حنبلی کہتے ہیں کہ سات مرتبہ دھونا چاہئے جس میں ایک مرتبہ مٹی سے بھی ہو۔

دھو کر اس کو نچوڑ دینا چاہئے تاکہ غسالہ ا۔ نکل جائے۔ اسی طرح اگر وہ چیز پیشاب سے نجس ہوئی تھی تو دوسری مرتبہ دھونے کے بعد بھی نچوڑ دینا چاہئے اور غسالہ چاہے پہلی مرتبہ دھونے کا ہو یا دوسری مرتبہ کا وہ بہر حال نجس ہے۔

زمین

جو زمین پاؤں کے تلوں اور جوتوں کے تلوں کو پاک کرتی ہے اس کا پاک اور خشک ہونا ضروری ہے اگر جوتے کا تلا اور پاؤں کا تلوا زمین پر چلنے سے نجس ہوا ہو تو زمین پر چلنے سے یا رگڑنے سے نجاست دور ہونے پر وہ پاک ہو جاتا ہے۔ ۲۔

سورج

سورج ، زمین اور ان بڑی چیزوں کو پاک کرتا ہے جن کا منتقل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ جیسے دروازے ، کھڑکیاں ، پھل ، کھیتوں میں کھڑی سبزیاں وغیرہ۔ اگر عین نجاست دور ہو جائے اور نجس شدہ چیز پر تھوڑی سی تری بھی ہو تو اس وقت اگر اس پر سورج کی شعاعیں پڑیں اور انہیں شعاعوں کی وجہ سے وہ چیز خشک ہو جائے تو وہ چیز پاک ہو جاتی ہے۔ ۳۔

استحالہ

اگر نجس چیز اپنی جنس بدل کر کسی پاک چیز کی شکل میں آجائے یعنی اس کی حقیقت بدل جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے ، جیسے پاخانہ اگر جل کر راکھ بن جائے یا پیشاب بخارات میں تبدیل ہو جائے۔

ا۔ غسالہ کسی چیز کو دھونے کے بعد خود بخود یا نچوڑنے سے نکلنے والے پانی کو کہتے ہیں۔

۲۔ زمین سے اس کے عام معنی مراد ہیں یعنی خاک ، پتھر ، ریت ، اینٹ ، چونا وغیرہ۔

۳۔ فقہ حنفی کے مطابق کوئی چیز خواہ سورج کی شعاعوں کی وجہ سے خشک ہو یا ہوا سے وہ پاک ہو جاتی ہے۔

انقلاب

اگر نجس چیز کی ماہیت بدل جائے تو وہ پاک ہو جائے گی۔ جیسے شراب خود بخود سرکہ بن جائے یا کچھ چیزیں ڈال کر اس کو سرکہ بنا دیا جائے۔

اسلام

کافر اگر مسلمان ہو جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔ خود کافر اور اس کے متعلقین بھی پاک ہو جاتے ہیں جیسے اولاد ۱؎، جسم پر موجود لباس وغیرہ وغیرہ۔

سوال نمبر۱۔۔ مطہّرات کے نام بتایئے؟

سوال نمبر۲۔۔ آبِ مطلق و آبِ مضاف کی تعریف کرتے ہوئے بتایئے کہ کس پانی سے طہارت نہیں کی جا سکتی؟

سوال نمبر۳۔۔ مندرجہ ذیل نجس چیزوں کو کیسے پاک کیا جائے گا؟

(الف): سخت جسم جیسے دیوار۔

(ب): پیشاب سے نجس شدہ کپڑا۔

(ج): جب برتن میں چوہا مر جائے۔

۱؎ اولاد اور اس کے زیرِ استعمال اشیاء کا پاک ہونا تبعیت کے ذریعہ ہے۔

(د): جب برتن کو کتا چاٹ جائے۔

سوال نمبر۴۔۔ درجِ ذیل سوالات کے جواب صرف "ہاں" یا "نہیں" میں دیجئے۔

(۱) کیا کیچڑ والی زمین پاؤں کے تلوے کو پاک کر دے گی؟

(۲) اگر شراب سرکہ بن جائے تو پاک ہو جائے گی؟

اسلام میں طہارت کی ایک قسم غسل ہے۔ اور غسل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واجب غسل اور دوسرے مستحب غسل ۔

۱۔۔ مستحب غسل

جیسے جمعہ کے روز کا غسل جس کا وقت طلوعِ فجر سے زوال تک ہے۔عید الفطر کا غسل و عید الاضحیٰ کا غسل اور ان کے علاوہ بھی دیگر مواقع پر مستحب غسل کیے جاتے ہیں۔

۲۔۔ واجب غسل

واجب غسل درج ذیل ہیں جیسے

(۱)۔ غسلِ جنابت:
(۲)۔ غسلِ حیض: عورتوں پر ماہواری ختم ہونے کے بعد یہ غسل واجب ہوتا ہے۔
(۳)۔ غسلِ نفاس: بچّے کی ولادت کے وقت عورتوں کو جو خون آتا ہے اس کے ختم ہونے کے بعد یہ غسل واجب ہوتا ہے۔
(۴)۔ غسلِ مسِ میت [۱]: جو شخص میت کے ٹھنڈا ہونے کے بعد اور غسل دینے سے پہلے

۱۔ شیعوں کے یہاں غسلِ مسِ میت واجب ہے' اہلِ سنّت کے مذاہب میں یہ غسل واجب نہیں ہوتا۔

اس کو چھولے اس پر یہ غسل واجب ہوتا ہے لیکن اگر میت کا جسم گرم حالت میں یا غسل دینے کے بعد چھوا ہے تو غسلِ مسِ میت واجب نہیں ہے۔

(۵)۔ غسلِ میت

غسل کا طریقہ

اگر کسی کو حدثِ اکبر ۱۔ ہو جائے اور وہ غسل کرنا چاہے یا کوئی مستحب غسل کرنا چاہے تو درجِ ذیل طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے غسل کر سکتا ہے:۔

غسلِ ترتیبی

اس غسل میں جسم کے حصّوں کو یکے بعد دیگرے دھویا جاتا ہے۔

الف۔ سر و گردن کو دھوئے یہ دونوں غسل میں ایک جز شمار ہوتے ہیں۔

ب۔ پھر جسم کے داہنے حصّہ کو گردن سے پاؤں تک دھوئے۔ اس کے بعد اسی طرح جسم کے بائیں حصہ کو بھی دھوئے ۲۔

غسلِ ارتماسی

اس کا مطلب ہے ایک ہی مرتبہ میں پورے جسم کو پانی میں ڈبو دیا جائے جس سے پانی جسم

۱۔ حدثِ اکبر کا مطلب ہر وہ حدث ہے جس کے دور کرنے کے لئے غسل کی ضرورت ہوتی ہے جیسے جنابت، حیض، نفاس، مسِ میت اور حدثِ اصغر اس حدث کو کہتے ہیں جس کے بعد صرف وضو کافی ہے جیسے پیشاب، پاخانہ، ہوا کا خارج ہونا اور ایسی نیند کا آنا جو سماعت و بصارت پر غالب آجائے۔

۲۔ مذاہبِ اربعہ نے غسل کی کوئی مخصوص کیفیت نہیں بیان کی ہے ان کے یہاں پورے بدن پر پانی پہنچنا ضروری ہے چاہے جس طرح پہنچے اوپر یا نیچے سے ابتدا کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہاں حنفی حضرات نے کلّی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو بھی واجب قرار دیا ہے۔

کے تمام حصوں تک پہنچ جائے۔ مثلاً نہر یا حوض میں ڈبکی لگا کے غسل کرنا۔

غسل کے احکام

۱۔۔ نیت: غسل کے لئے نیت ا۔ ضروری ہے جو یہ ہے میں غسل کرتا ہوں قربتہً الی اللہ تعالیٰ"۔

۲۔۔ اگر جسم پر کوئی نجاست لگی ہو جیسے پیشاب' خون وغیرہ تو غسل سے پہلے اس کا دور کرنا واجب ہے۔

۳۔۔ اگر جسم پر کوئی ایسی چیز لگی ہو جو پانی کو جلد تک پہنچنے سے روکتی ہے' جیسے ناخن پالش یا اور کوئی چیز چپکی ہو تو غسل سے پہلے اس کا دور کرنا واجب ہے تاکہ پانی جلد تک پہنچ سکے۔

۴۔۔ جس پانی سے غسل کیا جائے اس کا پاک اور مطلق ہونا واجب ہے۔

۵۔۔ جس پانی سے غسل کیا جائے اس کا مباح ہونا بھی ضروری ہے یعنی وہ غصبی نہ ہو۔ اسی طرح جہاں غسل کیا جائے اس جگہ کو بھی غصبی نہیں ہونا چاہئے۔

گذشتہ بیان میں ہم نے واجب غسلوں کی تعداد اور ان کے واجب ہونے کی وجوہ کا تذکرہ کیا تھا۔ ذیل میں ہم جنابت اور حیض کے بارے میں مزید وضاحت اور تشریح کریں گے۔

جنابت

جنابت کے دو اسباب ہوتے ہیں۔

۱۔۔ منی کا نکلنا' چاہے کسی بھی وجہ سے نکلے۔

۲۔۔ جماع' چاہے منی نہ بھی نکلے' جماع کے نتیجہ میں مرد اور عورت دونوں پر غسل واجب ہوتا ہے۔ ان دونوں (منی کا نکلنا اور جماع) میں سے کوئی ایک چیز بھی سرزد ہو تو اسے

ا۔ حنفی حضرات غسل کی صحت کے لئے نیت کو شرط نہیں مانتے۔

جنابت کہا جائے گا۔ مجنب اگر کوئی ایسا کام کرنا چاہے جس کے لئے طہارت ضروری ہوتی ہو تو اس پر غسلِ جنابت واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً نماز پڑھنا چاہے، روزہ رکھنا چاہے وغیرہ۔ا۔

وہ کون سے اعمال ہیں جن کے لئے غسلِ جنابت ضروری ہے؟

بعض اعمال ایسے ہیں جنہیں مجنب انجام نہیں دے سکتا اور اگر وہ یہ اعمال بجالائے تو باطل ہوں گے۔ ان اعمال کے صحیح ہونے کے لئے غسلِ جنابت ضروری ہے اور مجنب غسلِ جنابت کے بعد یہ اعمال انجام دے سکتا ہے۔ وہ اعمال یہ ہیں:۔

☆ نماز: نمازِ جنازہ کے علاوہ ہر نماز میں طہارت شرط ہے۔ مجنب جب تک غسل نہ کرے اس کی نماز صحیح نہیں ہے۔ ۲۔

☆ طواف: خانہ کعبہ کا طواف بھی غسل کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ ۳۔

☆ روزہ: روزہ کی صحت کے لئے بھی غسلِ جنابت ضروری ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص جان بوجھ کر طلوعِ فجر تک جنابت پر باقی رہے تو اس کا روزہ باطل ہے اور اس پر قضا وکفارہ دونوں واجب ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی غسلِ جنابت کرنا بھول جائے تو اس کا روزہ باطل ہے اور اگر روزہ ماہِ رمضان یا اس کی قضا کا ہو تو اس کی قضا واجب ہے۔ ۴۔

۱۔ اگر کوئی انسان رات کے وقت مجنب ہو جائے اور دن میں وہ روزہ رکھنا چاہتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ نمازِ فجر کا وقت شروع ہونے سے قبل غسلِ جنابت بجالائے۔

۲۔ مذاہبِ اربعہ کے یہاں نمازِ جنازہ کے لئے بھی غسل واجب ہے۔

۳۔ حنفی حضرات کہتے ہیں کہ محدث کا طواف صحیح ہے مگر وہ گناہ گار ہے۔

۴۔ مذاہبِ اربعہ کے نزدیک روزہ کی صحت کے لئے جنابت سے پاکیزگی شرط نہیں ہے۔

☆ قرآن کی کتابت اور اسمائے الٰہی: قرآن کی کتابت اور اسمائے الٰہی کا چھونا بھی مجنب کے لئے حرام ہے۔

نوٹ: (پیغمبرِ اسلامؐ، حضرت فاطمہؑ اور ائمہ معصومینؑ کے اسماء کا بھی یہی حکم ہے۔ مترجم)

☆ مسجدوں میں داخل ہونا، ٹھہرنا، مسجدین سے گزرنا: تمام مساجد میں حالتِ جنابت میں داخل ہونا حرام ہے اور ان میں ٹھہرنا بھی حرام ہے۔ البتہ اگر مسجد میں دو دروازے ہیں تو ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل کر گزر سکتا ہے۔ لیکن مسجد الحرام اور مسجد النبیؐ سے گزرنا بھی حرام ہے۔ ا۔

☆ تلاوتِ قرآن: مجنب کے لئے قرآن کی سجدہ والی آیتوں کا پڑھنا حرام ہے۔ (بلکہ سجدے والے چاروں سوروں کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے "مترجم") اور سجدے والے سورے یہ ہیں

الم سجدہ، حم سجدہ، النجم، العلق ۲۔

تنبیہہ:

جنابت کی حالت میں کھانا، پینا مکروہ ہے ہاں وضو کرلے یا کلی کرلے اور ناک میں پانی ڈال لے تو کھا پی سکتا ہے۔ حالتِ جنابت میں بغیر وضو کے یا غسل کے بدلے کئے جانے والے تیمم کے بغیر سونا بھی مکروہ ہے۔

ا۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مسجد میں ٹھہرنا مجنب کے لئے جائز نہیں ہے لیکن گزرنے میں اختلاف ہے مالکی اور حنفی صرف ضرورت کے وقت گزرنے کو جائز جانتے ہیں، ورنہ نہیں۔ شافعی اور حنبلی ٹھہرے بغیر گزرنے کو جائز جانتے ہیں۔

۲۔ مالکی مذہب میں مجنب کے لئے قرآن کے کسی بھی حصّہ کا پڑھنا حرام ہے۔ صرف استدلال کے لئے تھوڑا سا پڑھا جا سکتا ہے اور حنبلی فرقہ کا بھی تقریباً یہی نظریہ ہے۔ حنفی حضرات کے یہاں بھی حرام

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمایئے)

سوال نمبر ۱۔۔ اسلام نے کن غسلوں کو واجب قرار دیا ہے؟

سوال نمبر ۲۔۔ غسل کا طریقہ بتایئے؟

سوال نمبر ۳۔۔ غسل کی صحت کے لئے چند امور ضروری ہیں۔ ان امور کو مختصراً بیان کیجئے۔

سوال نمبر ۴۔۔ درجِ ذیل سوالات میں جو صحیح ہوں ان پر (✓) علامت لگائیے اور جو غلط ہیں ان پر (✗) علامت لگائیے۔

الف: اگر مردے کے جسم میں گرمی باقی ہو تو اس کو چھونے سے غسلِ مسِ میت واجب نہیں ہوتا۔

ب: مجنب شخص مسجد میں داخل ہو سکتا ہے۔

ج: خدا کے اسمائے مقدسہ کو حالتِ جنابت میں چھوا جا سکتا ہے۔

د: جس شخص پر غسلِ جنابت واجب ہو وہ آبِ مضاف سے غسل نہیں کر سکتا۔

(گذشتہ صفحے کا بقیہ)

ہے۔ البتہ اگر کوئی قرآن کا معلم ہو اور حرف حرف پڑھائے تو کوئی حرج نہیں، شافعی حضرات تو ایک حرف کا پڑھنا بھی حرام جانتے ہیں۔ ہاں بقصدِ ذکر پڑھ سکتا ہے جیسے کھانے سے قبل بسم اللہ کا پڑھنا وغیرہ۔

وضاحت

خداوندِ عالم نے عورت و مرد کو پیدا کیا اور ہر ایک کے لئے کچھ مخصوص صفات معین کر دیئے اور ہر ایک کے جسم کو کچھ اس مخصوص انداز سے بنایا ہے جو اس کی زندگی کے مشاغل سے مناسب ہو۔ اسی لئے عورت کے جسم کی ساخت حمل و ولادت سے مناسبت رکھتی ہے۔

پروردگارِ عالم نے اپنی قدرت و حکمت کی بنا پر عورت کے لئے حمل کی ایک خاص عمر معین کی ہے جو نو (۹) سے پچاس (۵۰) سال کے درمیان ہے۔ عورت نو سال کی عمر میں بالغ ہو جاتی ہے اور اس عمر میں اس کے بطن میں حمل قرار پا سکتا ہے۔ پچاس سال کے بعد والی عورت کو یائسہ کہا جاتا ہے کیوں کہ اس عمر کو پہنچ کر وہ بچّہ جننے سے مایوس ہو جاتی ہے.... اور اب اس میں حمل قرار نہیں پا سکتا۔

عورت کے جسم اور حملِ ولادت سے متعلق خداوندِعالم کی خاص مصلحت کی بناء پر جب عورت نو سال یا اس سے زیادہ کی ہو جاتی ہے تو اسے ہر ماہ حیض آنے لگتا ہے اور رحم سے خون نکلنے کے اس عمل کو "ماہواری" کہا جاتا ہے۔ پس حیض کی تعریف یہ ہوئی۔

بالغ عورت (جس کی عمر پچاس سال سے زیادہ نہ ہو) کے رحم سے خارج ہونے والے خون کو حیض کہا جاتا ہے۔"

اس سے ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ دن جس سے ماہواری شروع ہوتی ہے کم از

کم نو (۹) سال ہے۔ اور آخری سن جس کے بعد حیض نہیں آتا وہ پچاس سال ہے۔ ان دونوں (۹ سال '۵۰ سال) کے درمیان ایک معیّن وقت پر ہر عورت کو حیض آتا ہے یعنی حکمتِ الٰہی اور عورت کے جسم اور اس کے حمل کا تقاضہ ہے کہ ہرماہ معیّن وقت پر عورت کے رحم سے خون جاری ہو۔

مدّتِ حیض

ہر عورت کے حیض کی مدت ایک ہی جیسی نہیں ہوتی بلکہ اس میں فرق ہوتا ہے بعض عورتوں کی ماہواری کی مدت صرف تین دن ہوتی ہے جبکہ بعض کی چار دن اور بعض کی پانچ دن۔

البتہ زیادہ سے زیادہ حیض دس دن تک آسکتا ہے۔ اور کم از کم مدت تین دن ہے اسی لئے تین دن سے کم آنے والا خون یا دس دن سے زیادہ آنے والا خون حیض شمار نہیں ہوگا ا۔

غسلِ حیض

یہ بات ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حائضہ پر بہت سی چیزیں حرام ہیں اور جب تک وہ غسل نہ کرے اس کی عبادات مثلاً نماز' روزہ' طوافِ کعبہ صحیح نہیں ہیں۔ پس حیض ختم ہو جانے کے بعد عبادات اور ان چیزوں کی ادائیگی کے لئے جو طہارت کے بغیر انجام نہیں دی جا سکتیں غسلِ حیض واجب ہوا کرتا ہے۔

ا۔ حنبلی اور شافعی فقہا کے نزدیک خونِ حیض کم از کم ایک دن رات اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن آسکتا ہے۔ مالکی کہتے ہیں کہ اگر عورت حاملہ نہیں ہے تو خون پندرہ دن تک آسکتا ہے لیکن کم کی کوئی مدّت معین نہیں کی جا سکتی۔

احکام:-

حائضہ کے لئے چند چیزیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔

۱۔۔ قرآنِ مجید کی کتابت اور اسمائے الٰہی اور صفاتِ الٰہی پر دلالت کرنے والے الفاظ کا چھونا حرام ہے۔

۲۔۔ مسجد الحرام اور مسجد النبیؐ میں داخل ہونا بھی حرام ہے، چاہے صرف گزرنے کی نیت سے ہو۔ البتہ دوسری مسجدوں سے گزر سکتی ہے۔ مثلاً کسی مسجد کے دو دروازے ہوں تو ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل سکتی ہے۔ اسی طرح اگر مسجد میں کوئی چیز رکھی ہے تو اس کو اٹھانے کے لئے جا سکتی ہے۔ البتہ کسی اور مقصد کے لئے یا ٹھہرنے کی نیت سے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔

۳۔۔ مسجد میں کسی چیز کا رکھنا حرام ہے چاہے وہ مسجد کے باہر سے رکھے۔

۴۔۔ ان چاروں سوروں کا پڑھنا حرام ہے جن میں سجدہ واجب ہے چاہے اس کا تھوڑا ہی سا حصّہ پڑھے اور وہ چاروں سورے یہ ہیں:-

العلق، النجم، الم تنزیل، حم سجدہ

۵۔۔ حیض کے زمانہ میں شوہر کے لئے اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرنا حرام ہے۔

۶۔۔ اگر عورت حاملہ نہ ہو اور شوہر موجود ہو اور طہارت کے زمانہ میں ہم بستری کر لی ہو تو حائضہ کو طلاق دینا صحیح نہیں ہے[۱]۔

۷۔۔ حیض کی حالت میں عورت پر نماز واجب نہیں ہے اگر کوئی پڑھے بھی تو باطل ہے اور حیض سے پاک ہونے کے بعد ان نمازوں کی قضا بھی واجب نہیں ہے۔

۱۔ مذاہب اربعہ کے نزدیک حائضہ کو طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کوئی طلاق دے دے تو طلاق صحیح ہے البتہ طلاق دینے والا گنہگار ہو گا۔

۸۔۔ حائضہ کا روزہ باطل ہے۔ رمضان میں جتنے دنوں وہ حیض سے رہے روزہ معاف ہے۔ لیکن رمضان کے بعد ان روزوں کی قضا واجب ہے۔

سوال نمبر۱۔۔۔ حیض کو "ماہواری" کیوں کہتے ہیں؟

سوال نمبر۲۔۔۔ درج ذیل سوالوں میں صحیح کے سامنے یہ (✓) علامت بنایئے اور غلط کے سامنے یہ علامت (✗) بنایئے۔

الف: حیض کی کم سے کم مدّت تین دن ہے۔

ب: حیض کی کم سے کم مدّت دو دن ہے۔

ج: حیض کی زیادہ سے زیادہ مدّت دس دن ہے۔

د: حیض کی زیادہ سے زیادہ مدّت سات دن ہے۔

ہ: اگر رمضان میں عورت حائضہ ہو جائے تو زمانہ حیض میں روزہ معاف ہے۔ رمضان کے بعد قضا واجب ہے۔

سوال نمبر۳۔۔۔ درجِ ذیل سوالوں کے جوابات تحریر کیجئے:۔

الف: کیا حائضہ وہ سورے پڑھ سکتی ہے جن میں سجدہ واجب ہے؟

ب: کیا حالتِ حیض میں عورت پر نماز واجب ہے؟ یا حیض کے بعد قضا واجب ہے؟

ج: کیا حائضہ ٹھہرنے کی نیت سے مسجد میں داخل ہو سکتی ہے؟

هم پہلے بتا چکے ہیں کہ غسلِ جنابت، غسلِ حیض اور غسلِ مستحب کا طریقہ ایک ہی ہے۔ اس سبق میں ہم صرف غسل میت کے احکام بیان کریں گے۔

۱۔ مسلمان کی میت کو غسل دینا واجب ہے۔ چاہے وہ میت چھوٹی ہو یا بڑی۔ بلکہ اگر چار مہینہ کا مکمل ہو کر اسقاط ہو جائے تو اس جنین کا بھی غسل واجب ہے۔ا۔

۲۔ میت کو تین غسل دینا واجب ہیں، یہ غسل جنابت کی طرح ہوں گے اور ہر غسل مکمل دیا جائے گا۔

پہلا غسل آبِ سدر سے ..... یعنی ایسے پانی سے جس میں کچھ بیری کے پتے ملا دیئے گئے ہوں۔

دوسرا آبِ کافور سے ..... یعنی ایسے پانی سے جس میں کافور ملا دیا گیا ہو۔

تیسرا آبِ خالص سے

ان تینوں غسلوں کے بعد غسلِ میت مکمل ہو جاتا ہے اور میت پاک ہو جاتی ہے۔ ۲۔

۱۔ حنفی کہتے ہیں کہ اگر وہ زندہ پیدا ہوا ہو پھر مر جائے یا تام الخلقت ہو اور مردہ پیدا ہو تب تو غسل واجب ہے ورنہ نہیں۔

۲۔ مذاہبِ اربعہ کے نزدیک آبِ خالص سے غسل واجب ہے باقی دونوں (آبِ سدر و آبِ کافور والے غسل) مستحب ہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الخمسہ صفحہ ۵۷)

نوٹ:

اسلام اور مقدّساتِ اسلامیہ کا دفاع کرتے ہوئے معرکہ میں قتل ہو جانے والا شہید کہلاتا ہے اور شہید کو نہ غسل دیا جاتا ہے نہ کفن بلکہ بغیر غسل و کفن کے دفن کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ خدا سے خونِ شہادت سے آلودہ ملاقات کرے اور قیامت میں اپنے قاتلوں کے خلاف گواہ ہو۔

وضاحت:-

جس شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی جان معرکۂ قتال میں نکلی ہو یا جنگ ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد اور قبل اس کے کہ مسلمان اس کے پاس پہنچیں رمقِ حیات ہو۔

سوال نمبر۱۔ میت کو کس طرح غسل دیا جاتا ہے؟ کتنے طریقہ سے میت کو غسل دیا جاتا ہے؟

سوال نمبر۲۔ جو شخص میدانِ جنگ میں شہید ہو جائے کیا اس کو غسل دیا جائے گا؟ اور کیوں؟

وضو

خواہ نماز واجب ہو یا مستحب اس کے لئے وضو کرنا واجب ہے۔ وضو سے پہلے ہر اس چیز کو اعضائے وضو سے ہٹا دینا چاہئے جو وہاں پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ کا سبب ہو۔ جیسے کوئی چیز چپکی ہوئی ہو یا لپ اسٹک وغیرہ ہو۔

وضو صحیح ہونے کی بنیادی شرط نیت ہے۔

طریقۂ وضو

سورۂ مائدہ کی چھٹی آیت میں قرآن نے وضو کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے۔

"ایمان والو جب تم نماز پڑھنا چاہو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور پیروں کا (بھی) گٹوں تک"

پس خدا نے ہمیں نماز کے لئے وضو کا حکم دیا ہے تاکہ اس کی بارگاہ میں پاک و پاکیزہ حاضری دیں اور اس سے دعا کریں اور گناہوں کی مغفرت چاہیں۔

وضو میں چھ چیزیں واجب ہیں

(۱)۔۔ لمبائی میں سر پر بال اگنے کی جگہ سے ٹھڈی تک اور چوڑائی میں انگوٹھا اور بیچ والی انگلی کے درمیان جتنا چہرہ آجائے اس کا دھونا۔

(۲)۔۔ کہنی سے انگلیوں کے سرے تک داہنے ہاتھ کا دھونا۔ ا۔

(۳)۔۔ کہنی سے انگلیوں کے سرے تک بائیں ہاتھ کا دھونا۔

(۴)۔۔۔ داہنے ہاتھ کی تری سے سر کے اگلے حصّہ کا مسح۔ ۲۔

(۵)۔۔۔ داہنے ہاتھ کی تری سے داہنے پیر کا انگلیوں کے سرے سے گٹے تک مسح کرنا۔

ا۔ فقہائے اربعہ "ابو حنیفہ، احمد ابن حنبل، شافعی، مالک" نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ ہاتھوں کو دھونے کی ابتدا چاہے کہنیوں سے کرے چاہے انگلیوں سے کرے یہ اختیاری بات ہے۔ اگرچہ سنّتوں میں اختلاف ہے۔ جمہور کہتے ہیں ابتدا انگلیوں سے کرنی چاہئے۔ امام شافعی تفصیل کے قائل ہیں کہ اگر خود چلو میں پانی لیکر وضو کر رہا ہے تو انگلیوں سے ابتدا کرے۔ لیکن اگر نل کی ٹونٹی سے یا لوٹے سے وضو کر رہا ہے یا کوئی اور پانی ڈال رہا ہے تو کہنیوں سے دھونے کی ابتدا کرنی چاہئے اور پاؤں میں گٹوں سے ابتدا کرنی چاہئے۔ (عبد الرحمان الجزیری۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ا صفحہ ۵۶ منقول از کتاب الحقائق فی الجمع و الفوارق) لیکن شیعوں کے یہاں کہنی سے ابتدا کرنا واجب ہے۔ باقی مذاہب میں جائز ہے۔ سیوطی نے در منثور جلد ۲ میں سورۂ مائدہ کی چھٹی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: دار قطنی اور بیہقی دونوں نے اپنی اپنی سنن میں جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ جب وضو کرتے تھے تو پانی کہنیوں پر پھراتے تھے۔

۲۔ تمام مسلمانوں نے وضو میں سر کے مسح کے واجب ہونے پر اجماع کیا ہے جیسا کہ خود قرآن میں بھی صریحی طور سے ہے البتہ سر کے کون سے حصّے پر اور کتنی جگہ پر مسح کیا جائے میں اختلاف ہے۔ مالکی و حنبلی پورے سر کے مسح کو واجب کہتے ہیں۔ شافعی کہتے ہیں کہ سر کا مسح واجب ہے چاہے تھوڑے ہی سر کا ہو۔ حنفی مسلک والے کہتے ہیں کہ چوتھائی سر کا مسح واجب ہے اور امامیہ حضرات کہتے ہیں کہ سر کے کچھ حصّے کا مسح واجب ہے اور وہ سر کا اگلا حصّہ ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمایئے)

(۶)--- بائیں ہاتھ کی تری سے بائیں پیر کا انگلیوں کے سرے سے گٹے تک مسح کرنا۔ ا؎

(گذشتہ صفحے کا بقیہ)

صحیح مسلم وغیرہ میں مغیرہ کی ایک روایت یہ ہے: رسولِ خداؐ نے وضو فرمایا اور سر کے اگلے حصّہ کا مسح فرمایا۔ آپؐ کے سر پر عمامہ تھا..... اور ابو داؤد نے انس کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ کو عمامہ کے اندر داخل کر کے مسح فرمایا اور عمامہ کو اتارا نہیں اور ظاہری سی بات ہے کہ آیت نے "وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ" کہا ہے اور اس سے پورے سر کا مسح ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ اس کے جیسے افعال میں ہے مثلاً ضربت راس زید اور ضربت براسہ اور ضربت زیدا اور ضربت ہٰذ زید ان میں لغوی معنی یہ ہیں کہ ضرب کا وقوع اجزائے مذکورہ کے کسی جز پر ہے۔ بس اسی طرح آیتِ قرآنی بھی ہے۔ (ابی الطیب القنوجی البخاری۔ الروضۃ الندیہ شرح الدرر البہیہ ج ۱۔ ص ۳۸۔)

اب رہا کانوں کا مسح تو صرف حنبلی حضرات نے اس کو سر کا جزو شمار کیا ہے۔ باقی مذاہب نے کانوں کے مسح کو واجب قرار نہیں دیا ہے۔

ا؎ چاروں اماموں نے دونوں پیروں کو گٹے کے سمیت ایک مرتبہ دھونا واجب قرار دیا ہے لیکن امامیہ فرقہ کہتا ہے کہ وضو کی تری سے دونوں پیروں کا انگلیوں کے سرے سے گٹوں تک کا مسح واجب ہے (دھونا جائز نہیں ہے) پیروں کے دھونے یا ان پر مسح کرنے کے بارے میں اختلاف آیتِ وضو کے سمجھنے میں اختلاف کی وجہ سے ہوا ہے آیت یہ ہے:-

یاایھاالذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین

(سورہ مائدہ آیت نمبر۶)

اس آیت میں لفظ ارجل کو بعض نے منصوب پڑھا ہے اور بعض نے مجرور پڑھا ہے۔ جو لوگ مسح

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمایئے)

وضو کے مستحبات

وضو میں کچھ ایسے اعمال بھی ہیں جو سنّت ہیں اور جن کا انجام دینا مستحب ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ انہیں بجا لایا جائے، کیوں کہ خداوندِ عالم ان کو پسند کرتا ہے اور ان کی تعریف کرتا ہے اور رسولِ خداؐ خود بھی ان اعمال کو انجام دیتے تھے۔

مثلاً:۔

☆ وضو شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا۔

☆ مستحب دعاؤں کا پڑھنا۔

☆ کلّی کرنا۔

(گذشتہ صفحے کا بقیہ)

کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں ارجل اگر مجرور ہے تو لفظ رؤوس پر عطف ہے اور اگر منصوب ہے تو محل رؤوس پر عطف ہے اور دونوں طرح مسح ہی ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ دھونے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر ارجل مجرور ہے تو رؤوس کی مجاورت کی وجہ سے ہے اور اگر منصوب ہے تو لفظ ایدی پر عطف ہے۔

رازی اپنی تفسیر میں مسح کے قائل ہیں اور محمد بن جریر طبری، حسن بصری، جبائی، اوزاعی، ثوری وغیرہ جو بہت بڑے علمائے اہلِ سنّت میں شمار ہوتے ہیں یہ لوگ کہتے ہیں۔ "اختیار ہے چاہے پیروں کا مسح کیجئے اور چاہے تو انہیں دھو ڈالئے" اور کچھ لوگ کہتے ہیں پیروں کا مسح بھی کرے اور دھوئے بھی۔ ابو داؤد نے ابنِ عباس سے روایت لکھی ہے کہ وہ کہتے ہیں "کیا تم لوگ پسند کرو گے کہ میں تم کو دکھاؤں رسولؐ کیسے وضو کیا کرتے تھے؟ پھر حدیث کو لکھا ہے یہاں تک کہ کھڑے ہوئے اور ہاتھوں سے دونوں پیروں پر مسح کیا"۔

☆ ناک میں پانی ڈالنا[۱]۔

وضو توڑنے والی چیزیں

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ وضو کرنے سے ہم پاک ہو جاتے ہیں اور پاکی کے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض چیزوں کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً:۔

★ پیشاب یا پاخانہ کا خارج ہونا۔

اگر پیشاب یا پاخانہ خارج ہو تو انسان کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کو نماز کے لئے پھر سے وضو کرنا چاہئے اور اگر نماز پڑھتے میں ایسا ہو جائے تو نماز بھی باطل ہو جاتی ہے۔ نماز توڑ کر وضو کرے پھر دوبارہ نماز پڑھے۔

★ ہوا کا خارج ہونا۔

اگر باوضو آدمی کی ہوا نکل جائے تو اس کا وضو باطل ہو جائے گا۔ نماز کے لئے دوبارہ وضو کرنا ہو گا اور اگر نماز پڑھتے میں ہوا خارج ہو تو نماز توڑ کر وضو کرے۔ پھر دوبارہ نماز پڑھے۔

★ نیند۔

اگر انسان سو جائے تو سونے سے وضو باطل ہو جاتا ہے نماز کے لئے اسے دوسرا وضو کرنا پڑے گا۔

۱۔ کلّی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا حنبلی حضرات کے یہاں واجب ہے۔

سوال نمبر ا۔۔ اگر باوضو شخص سو جائے تو نماز کے لئے دوبارہ وضو کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور کیوں؟

سوال نمبر ۲۔۔ کلّی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضو میں مستحب ہیں یا واجب؟

سوال نمبر ۳۔۔ باوضو شخص کی ناک سے خون آنے لگے تو اس کو نماز کے لئے دوبارہ وضو کی ضرورت ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۴۔۔ اگر آپ سے کوئی وضو سیکھنا چاہے تو بتایئے اسے کس طرح سکھائیں گے؟

سوال نمبر ۵۔۔ ایک شخص نے وضو کیا لیکن اس کے ہاتھ پر گوند لگی تھی تو اس کا وضو صحیح ہے یا باطل؟ وجہ بھی بتایئے؟

وضوء جبیرہ

کبھی انسان کے اعضائے وضو میں سے کسی ایک یا کئی پر پھوڑا نکل آتا ہے، کبھی زخم ہو جاتا ہے، کبھی وہ عضو ٹوٹ جاتا ہے تو مجبوراً کبھی پٹی باندھنی پڑتی ہے، کبھی پلاسٹر بندھوانا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں وضو کا طریقہ یہ ہے۔

۱۔۔۔۔ اگر جبیرہ (یعنی وہ پٹی، پلاسٹر، دوا وغیرہ جو باندھی یا لگائی گئی ہے) کو الگ کرکے وضو کرنا ممکن ہو تو پھر یہی کرنا چاہئے یعنی جبیرہ کو الگ کرکے وضو کرے۔

۲۔۔ اگر جبیرہ کا الگ کرنا ممکن نہ ہو لیکن کسی ضرر یا اذیت کے بغیر آسانی سے اس عضو کو پانی میں ڈبو سکتا ہو تو پھر اسی طرح سے وضو کرے۔

۳۔۔ اگر پہلے دونوں طریقوں سے وضو کرنا ممکن نہ ہو تو جتنے حصہ کو دھونا ممکن ہو اس کو دھوئے اور جبیرہ کے اوپر گیلا ہاتھ پھیرے۔ اور اگر جبیرہ کے اوپر کوئی نجاست لگی ہو جس کا ہٹانا ممکن نہ ہو تو وہاں پر پاک کپڑا رکھ لے اور اس کپڑے پر گیلا ہاتھ پھیر لے۔

۴۔۔ اگر جبیرہ پورے قدم پر ہو تو پھر تیمم کرنا چاہئے۔

۵۔۔ اگر جبیرہ پورے چہرے پر ہو یا پورے ہاتھ پر ہو تو جبیرہ والا وضو بھی کرے اور تیمم بھی۔

۶۔۔ اگر کسی کے اعضائے وضو پر ایسا مرض ہو جس پر کپڑا، یا کوئی چیز لپیٹنے پر مجبور ہو اور اس چیز کا ہٹانا بھی ممکن نہ ہو، جیسے ورم ہو جائے یا الرجی وغیرہ ہو جائے تو پھر اس شخص کو صرف تیمم کرنا چاہئے۔ جبیرہ والا وضو کرنا اس کے لئے درست نہیں ہے۔

نوٹ: تیمم کا طریقہ آگے بیان کیا جائے گا۔

سوال نمبر۱۔ درجِ ذیل لوگ کس طرح وضو کریں گے؟

الف: جس شخص کے ہاتھ پر جبیرہ ہے اور جبیرہ کا ہٹا دینا بھی ممکن ہے۔

ب: جس شخص کے ہاتھ پر جبیرہ ہے اور جبیرہ کا ہٹا دینا بھی ناممکن ہے۔

ج: جس کے جبیرہ پر نجاست لگی ہو۔

سوال نمبر۲۔ درجِ ذیل سوالوں کے آگے اگر صحیح ہوں تو یہ (✓) علامت بنایئے اور غلط ہوں تو یہ (✗) علامت بنایئے؟

الف: جس شخص کے پورے ہاتھ پر جبیرہ ہو اس پر واجب ہے کہ وضو اور تیمم دونوں کرے۔

ب: جس شخص کے پورے پاؤں پر جبیرہ ہو اس پر واجب ہے کہ صرف وضو کرے۔

ج: جس شخص نے ورم کی وجہ سے کسی عضو کو کپڑے سے لپیٹ رکھا ہو تو اس پر لازم ہے کہ غسل یا وضو کے بدلے تیمم کرے۔

اگر انسان کے لئے پانی کا استعمال دشوار ہو جائے اور وہ وضو یا غسل نہ کر سکتا ہو تو پھر تیمم کرنا چاہئے۔ خاک' بالو' کنکریوں' چٹانوں یا پاک زمین کے کسی بھی حصے پر تیمم کیا جا سکتا ہے اسی طرح اگر زمین نہ ملے تو جانمازوں' کپڑوں وغیرہ کے جھاڑنے سے جو غبار اڑتا ہے اس غبار پر بھی تیمم کیا جا سکتا ہے۔

قرآنِ کریم نے ان مواقع کی نشاندہی کی ہے جن میں تیمم کیا جا سکتا ہے۔

ارشاد ہے:۔

"وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط اولا مستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون" (سورہ مائدہ ۵ آیت ٦)

"اور اگر تم مریض ہو یا سفر کی حالت میں ہو' یا پاخانہ کر کے آئے ہو' یا عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تم کو پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی پر اس طرح تیمم کر لو کہ اس مٹی سے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرو۔ خدا تمہارے لئے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتا وہ تم کو پاک قرار دینا چاہتا ہے کہ تم پر اپنی نعمت کو تمام کرے تاکہ تم اس کے شکرگزار (بندے) ہو جاؤ۔"

اب رہے وہ حالات جن میں تیمم کرنا جائز قرار دیا گیا ہے ان کی تفصیل درجِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔ جب پانی نہ مل سکے یا پانی کا حاصل کرنا ذلت و رسوائی کا باعث ہو یا اتنا مہنگا ملے کہ خریدنا مشکل ہو' یا اتنا کم پانی میسّر ہو کہ اگر اس سے وضو کر لیں تو پیاس سے ہلاک ہو جانے یا

ناقابلِ برداشت پیاس میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو، تو ان تمام صورتوں میں تیمم کرنا چاہئے۔ اور آخری صورت میں پانی کو اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے محفوظ رکھنا چاہئے۔

مثلاً ایک مسافر صحرا میں سفر کر رہا ہے اور آگے پانی ملنے کی امید نہیں ہے یا لشکر میں ہے اور نہ معلوم آگے پانی ملے یا نہ ملے تو پانی بچالے اور تیمم کرے۔

۲۔۔۔ پانی ہے لیکن اس کے استعمال سے مرض پیدا ہونے یا مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو یا اتنی شدید سردی ہو کہ پانی کا استعمال ممکن نہ ہو تو پھر تیمم کرنا چاہئے۔

۳۔۔۔ نماز کا وقت اتنا تنگ ہو کہ وضو یا غسل کے بعد نماز قضا ہو جائے گی تو تیمم کرکے نماز پڑھے۔

۴۔۔۔ پانی تھوڑا سا ہے لیکن بدن پر لگی ہوئی نجاست کو دور کرنے کے لئے اس پانی کی ضرورت ہے تو اس پانی سے نجاست دور کرے اور پھر تیمم کرے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ پانی سے وضو کرلے اور بدن کو نجس رہنے دے اور اسی نجس بدن سے نماز پڑھے۔

۵۔۔۔ جن عبادتوں کو طہارت کے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا، جب تک عذر باقی ہے ان عبادتوں کے لئے تیمم کرتا رہے لیکن عذر برطرف ہوجانے کے بعد ان عبادتوں کے لئے غسل (اگر واجب ہو) یا وضو (اگر غسل واجب نہ ہو) کرنا ہوگا۔

تیمّم کا طریقہ

مذکورہ بالا آیہ کریمہ نے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ کب تیمم کرنا چاہئے۔ اب ہم تیمم کرنے کا طریقہ تحریر کرتے ہیں:۔

۱۔۔۔ سب سے پہلے نیت کرے کہ میں قربۃً الی اللہ تیمم کرتا ہوں۔

۲۔۔۔ اس کے بعد دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ایک ساتھ زمین پر مارے اور ان سے پوری

پیشانی اور ناک تک کے اوپری حصّہ اور بھنوؤں کا مسح کرے۔ پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے داہنے ہاتھ کی پشت پر مسح کرے پھر داہنے ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت پر مسح کرے۔ دونوں ہاتھوں کا مسح گٹے سے انگلیوں کے سرے تک کرنا ہوگا۔

سوال نمبر۱-- فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ...... کی تشریح کیجئے؟

سوال نمبر۲-- ان صورتوں کو تفصیل سے بتایئے جن میں تیمم کرنا واجب ہے؟

سوال نمبر۳-- جس کے ہاتھوں پر نجاست لگی ہو اس کے تیمم کا کیا حکم ہے؟ اس کا تیمم صحیح ہے یا باطل؟

اذان اور اقامت

نماز شروع کرنے سے پہلے اذان اور اقامت مستحب ہیں۔
اذان کا دو مرتبہ کہنا مستحب ہے۔

۱--- ایک مرتبہ اذان اس وقت دی جاتی ہے جب نماز کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اطلاع دے دی جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ جیسے آپ نے موذن کو دیکھا ہو گا۔ فجر، ظہر، وغیرہ کے وقت اذان کہتا ہے۔

۲--- جب نماز ادا کرنا چاہیں تو اس سے پہلے پھر ایک اذان کہنی چاہئے۔ چاہے نماز کا وقت کافی پہلے ہو چکا ہو۔ مثلاً اگر ساڑھے بارہ بجے نمازِ ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے اور موذن نے اذان کہہ دی ہے اب آپ دو بجے نماز ادا کرنے جا رہے ہیں تو نماز کے لئے اذان کہئے۔

اذان کا مطلب مسلمانوں کو نماز کے لئے پکارنا ہے اور نماز کی اہمیت کو بتانا ہے۔ تاکہ غافل اور بھولے ہوئے لوگوں کو اذان سنتے ہی نماز کا خیال آجائے۔ موذن کی آواز سنتے ہی ہر قسم کے کام کاج کو ترک کر کے خضوع و خشوع کے ساتھ خدا کی عبادت اور اس سے مناجات کے لئے نکل کھڑے ہونا چاہئے۔ شریعتِ اسلامی میں اذان مستحبِ موکدہ ہے۔ اور اس کا ہر کلمہ اور ہر فقرہ ایک مسلمان کے لئے غور و فکر کا سامان لئے ہوئے ہے۔

اذان

اذان کا طریقہ درجِ ذیل ہے۔

۱--- اللہ اکبر (خدا ہمارے فہم و ادراک اور مدح و توصیف سے کہیں بزرگ و برتر ہے) چار مرتبہ۔

۲-- اشهدان لا الٰہ الا اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ یکتا و بے مثل خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں) دو مرتبہ۔

۳-- اشھدان محمداً رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں) دو مرتبہ۔

۴-- اشھدان علی حجتہ اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علیؑ حجتِ خدا ہیں) دو مرتبہ۔

۵-- حی علی الصلوۃ (نماز کے لئے آمادہ ہو جاؤ) دو مرتبہ

۶-- حی علی الفلاح (فلاح و نجات کے لئے تیار ہو جاؤ کیوں کہ نماز سے زیادہ نفع بخش کوئی چیز نہیں ہے) دو مرتبہ۔

۷-- حی علی خیر العمل (خدا کے نزدیک جو سب سے زیادہ محبوب اور افضل عمل ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ) دو مرتبہ۔

۸-- اللہ اکبر دو مرتبہ۔

۹-- لا الٰہ الا اللہ دو مرتبہ۔

اقامت

اقامت بھی چند مستحب اذکار کے مجموعہ کا نام ہے جن میں خداوندِ عالم کی عظمت و بزرگی کا ذکر ہے۔ جو انسان کو خضوع و خشوع کے ساتھ نماز کی ادائیگی پر راغب کرتے ہیں۔

اس کا طریقہ حسبِ ذیل ہے۔

۱-- اللہ اکبر (دو مرتبہ)

۲-- اشھدان لا الٰہ الا اللہ (دو مرتبہ)

۳-- اشھدان محمداً رسول اللہ (دو مرتبہ)

۴-- اشھدان علی حجتہ اللہ (دو مرتبہ)

۵-- حی علی الصلوۃ (دو مرتبہ)

۶-- حی علی الفلاح (دو مرتبہ)

۷-- حی علی خیر العمل (دو مرتبہ) ا؎

۸-- قدقامت الصلوۃ (دو مرتبہ)

۹-- اللہ اکبر (دو مرتبہ) ۲؎

۱۰-- لا الہ الا اللہ (ایک مرتبہ)

ا؎ اہلِ سنّت کے بعض علماء نے لکھا ہے کہ "**حی علی خیر العمل**" کا جملہ زمانۂ رسولؐ میں بھی اذان کے اندر موجود تھا۔ ان علماء میں سے علامہ قوشجی بھی ہیں جنھوں نے شرح تجرید میں امامت کی بحث کے آخر میں اس کا اقرار کیا ہے۔ اور قوشجی کا شمار بڑے علماء اہلِ سنّت میں ہوتا ہے! اسی طرح علامہ حلبی یہ بھی اہلِ سنّت کے بڑے علماء میں شمار کئے جاتے ہیں انہوں نے سیرتِ ابنِ عمر باب بدء الاذان جلد ۲ صفحہ ۱۱۰ میں لکھا ہے: عبداللہ اور امام زین العابدینؑ اذان میں "حی علی الفلاح" کے بعد "حی علی خیر العمل" کہا کرتے تھے۔ (الحقائق فی الجوامع والفوارق جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۳۵)

لیکن اہلِ سنّت کے چاروں مذاہب کے لوگ "**حی علی خیر العمل**" کو نہ اذان میں کہتے ہیں نہ اقامت میں۔ البتہ بعض حضرات نے نمازِ صبح کی اذان میں "**الصلوۃ خیر من النوم**" کا اضافہ کیا ہے۔ لیکن شافعی نے اس کی موافقت نہیں کی، ان کا کہنا ہے کہ یہ اصل اذان کا جز نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے فقہا بھی اس کے ذکر کے حق میں نہیں ہیں۔ ابن رشد بدایہ المجتہد جلد نمبر ۱ مطبوعہ ۱۹۳۵ میں کہتے ہیں: دوسرے علماء نے کہا ہے "الصلوۃ خیر من النوم" نہیں کہنا چاہئے اس لئے کہ یہ سنّت اذان کا جز نہیں ہے..... ابنِ قدامہ کی کتاب مغنی جلد نمبر ۱، صفحہ ۴۰۸ طبع سوم میں ہے کہ اسحاق کا کہنا ہے اس جملے کو لوگوں نے اضافہ کیا ہے، ابو عیسیٰ کہتے ہیں: یہ وہی تثویب ہے جس کو اہلِ علم مکروہ جانتے ہیں اور یہی وہ چیز ہے کہ ابنِ عمر نے جب اس کو سنا تو مسجد سے چلے گئے (الفقہ علی المذاہب الخمسہ)

۲؎ (حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے)

سوال نمبرا--- پوری اذان تحریر کیجئے؟

سوال نمبر۲--- درجِ ذیل جملوں کے معنی بتایئے:۔

اللہ اکبر' حی علی خیر العمل' حی علی الفلاح

سوال نمبر۳--- اذان و اقامت کا فرق بیان؟

(گذشتہ صفحے کا حاشیہ)

حنفی، حنبلی، شافعی، شیعہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ اذان کی ابتدا میں تکبیر چار مرتبہ ہے۔ صرف مالکی کہتے ہیں دو مرتبہ ہے۔ **لا الہ الا اللہ** کے بارے میں شیعہ کہتے ہیں دو مرتبہ ہے باقی مذاہب والے ایک مرتبہ کے قائل ہیں البتہ مالکی اور شافعی کہتے ہیں کہ اس کو دو مرتبہ کہا جا سکتا ہے مگر دوبارہ کہنا سنت ہے۔ **اشھد ان علی حجتہ اللہ** کا شیعوں کے علاوہ کوئی اور فرقہ قائل نہیں ہے۔

نماز

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ان الصلاۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا" (سورۃ نساء ۴ آیت نمبر ۱۰۳)
"یقیناً مومنین پر نماز معین وقت کے ساتھ واجب کی گئی ہے"۔

نماز ایک ایسی یومیہ عبادت ہے جس کے اوقات اور جس کی رکعات تک معین ہیں۔ .....ایک مسلمان روزانہ پانچ مرتبہ اپنے خدا کے حضور کھڑا ہو کر اس کی توحید بیان کرتا ہے ' اس کی عبادت کرتا ہے ' اس سے دعا مانگتا ہے ' اس سے مدد ' مغفرت اور ہدایت طلب کرتا ہے۔

اسی لئے نماز انسان کو گناہوں سے پاک کرنے ' اچھائیوں کی ترغیب دینے اور برائیوں سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

پیغمبرِ اسلامؐ کے نزدیک نماز کی مثال کسی انسان کے دروازے پر موجود ایک ایسی نہر کی سی ہے جس میں وہ دن میں پانچ مرتبہ نہاتا ہے۔ کیا ایسے شخص کے جسم پر میل کچیل اور گندگی کا نام ونشان ملے گا؟

رسولِ مقبولؐ نے اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا
"اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس نہر سے روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن پر میل کچیل باقی رہے گا؟"
اصحاب نے جواب دیا نہیں۔

رسول اللہؐ نے فرمایا "پس نماز کی مثال ایسی ہی نہر کی سی ہے۔ انسان جب بھی نماز پڑھے گا تو اس سے دو نمازوں کے درمیان جو گناہ سرزد ہوئے ہوں گے یہ نماز ان کا کفارہ ہو جائے گی"۔[۱]

پس انسان جب خدا کے سامنے کھڑا ہو کر سورہ فاتحہ پڑھتا ہے، جس میں خدا کی حمد وثنا بیان ہوتی ہے، جس میں انسان خدا سے ہدایت و استقامت طلب کرتا ہے، ضالین (گمراہوں) اور مغضوب علیہم (جن پر غضبِ الٰہی نازل کیا گیا ہے) سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے تو گویا اس طرح انسان اپنے نفس کی تربیت کرتا ہے، اسے استقامت کا عادی بناتا ہے، خیر سے محبت، شر اور اشرار سے دوری کا طلب گار ہے۔

اسی لئے قرآن نے کہا ہے:۔

اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلاۃ ان الصلاۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر واللہ یعلم ما تصنعون ○ (سورہ عنکبوت ۲۹ آیت نمبر ۴۵)

"جس کتاب کی تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس سے تلاوت کرو، نماز قائم کرو، نماز بے حیائی کی باتوں اور بدکاری سے روکتی ہے اور خدا کی یاد تو یقیناً (سب سے) بڑی چیز ہے تم لوگ جو بھی کرتے ہو خدا اس سے واقف ہے"۔

پس نماز ہم کو نیکیوں کے راستے پر لگاتی ہے، برائیوں سے بچاتی ہے، ہمارے قلب میں خدا کی یاد بیدار کرتی ہے اور دلوں میں لوگوں کے لئے خیر کی طلب پیدا کرتی ہے۔

نمازی دورانِ نماز ہاتھ اٹھا کر اپنے والدین اور برادرِ مومن کے لئے دعا طلب کرتے ہوئے کہتا ہے "ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب" خدایا مجھے، میرے والدین

۱۔ وسائل الشیعہ کتاب الصلوۃ جلد نمبر ۳ صفحہ ۷، صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب مواقیت الصلوۃ و فضلھا جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۴۱۔

اور مومنین کو قیامت کے دن بخش دے۔

اسی طرح نماز انسان سے تکبر و غرور کو دور کر دیتی ہے۔ کیوں کہ نمازی رکوع میں سبحان ربی العظیم وبحمدہ اور سجدے میں سبحان ربی الاعلی وبحمدہ کے ذریعہ خدا کے سامنے اس کی عظمت و جبروت اور اپنے ضعف و ناتوانی کا اقرار کرتا ہے — تکبر و غرور سے نفرت کا اظہار کرتا ہے (کیوں کہ اگر اسے غرور ہوتا تو رکوع و سجود نہ کرتا) اسے احساس ہوتا ہے کہ تمام مسلمان برابر ہیں کیوں کہ سب ہی ایک صف میں کھڑے ہو کر خضوع و خشوع کے ساتھ خداوندِ عالم کی بارگاہ میں رکوع و سجود بجالاتے ہیں۔

جنابِ فاطمہ زہراؑ نے اسی جانب توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ "تکبر سے بچانے کے لئے خدا نے تم پر نماز واجب کی ہے۔"

نماز فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح کرتی ہے۔ سب میں خیر سے انس و محبت اور شر' منکرات' غرور اور تکبر سے نفرت پیدا کرتی ہے اور سب کو خدا سے باندھ دیتی ہے' سب مل کر اس کا ذکر کرتے ہیں' اس کی توحید بیان کرتے ہیں' عبادت کرتے ہیں' طاغوتوں سے نفرت کرتے ہیں' گمراہوں اور ظالموں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

اسی لئے رسولؐ نے نماز کی عظمت کو اجاگر کرتے ہوئے اور نماز نہ پڑھنے والوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:-

"لَا يَنَالُ شَفَاعَتِيْ مَنِ اسْتَخَفَّ بِصَلَاتِهٖ"

"جو شخص نماز کی توہین کرتا ہے اسے میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔"

دوسری حدیث میں ہے: جو شخص نماز نہیں پڑھتا خدا' رسولؐ' مومنین اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

لَا تَدَعِ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِءَتْ مِنْهُ مِلَّةُ الْاِسْلَامِ

"جان بوجھ کر نماز نہ چھوڑو کیوں کہ جو جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔"[۱]

اسی لئے قرآن بھی نماز کو کم اہم سمجھنے والوں کو ڈراتے ہوئے کہتا ہے:۔

فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون (سورۂ ماعون ۱۰۷ آیت نمبر ۴، ۵)

"تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں۔"

ایک جگہ قرآن، نماز نہ پڑھنے والوں کے عقاب اور ان کے جہنم میں جانے کا سبب بیان کرتا ہے:۔

ماسلککم فی سقر قالو الم نک من المصلین (سورۂ مدثر ۷۴ آیت نمبر ۴۲۔ ۴۳)

"تم لوگ جہنم میں کیوں ڈالے گئے؟ انہوں نے کہا ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔"

حدیثِ رسولؐ ہے:۔

مابین الکفر والایمان الا ترک الصلاۃ

"ایمان و کفر میں ترکِ نماز کے علاوہ کوئی فرق نہیں ہے۔"[۲]

ان آیات و روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی نظر میں نماز کی کتنی اہمیت اور عظمت ہے۔ اور یہی مسلمان اور کافر کے درمیان حدِّ فاصل ہے۔

نماز کی دو قسمیں ہیں واجب اور مستحب۔

واجب نمازیں

واجب نمازیں درج ذیل ہیں۔

۱۔۔ نمازِ پنج گانہ ۲۔۔ نمازِ آیات

۱۔ وسائل الشیعہ کتاب الصلاۃ جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۹، طبع پنجم۔

۲۔ وسائل الشیعہ۔ کتاب الصلاۃ ج ۳۔ صفحہ ۲۹ طبع پنجم۔

۳--- نمازِ عیدین　　۴--- نمازِ جمعہ

۵--- نمازِ میت　　۶--- (حج و عمرہ کے دوران) نمازِ طواف

مستحب نمازیں:۔

نمازِ شب ' نافلہء صبح ' نافلہء ظہر ' نافلہء عصر ' نافلہء مغرب ' نافلہء عشاء اِن نمازوں کے لئے اسلام نے تاکید کی ہے لیکن واجب قرار نہیں دیا ہے۔ یعنی اگر کوئی نہ پڑھے تو خدا اس پر عذاب نہیں کرے گا۔ لیکن ان نمازوں کے پڑھنے سے مومن اپنے خدا سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر۱--- درجِ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:۔

سوقوتاً۔ساھون۔الدّرن

سوال نمبر۲--- رسولِ خداؐ کے اس قول کی تشریح کیجئے:۔

"مومن و کافر کا فرق نماز نہ پڑھنے میں ہے"

سوال نمبر۳---

(الف): درج ذیل نمازوں میں سے بتایئے کون سی واجب ہیں اور کون سی مستحب؟

نافلہء صبح ' نمازِ شب ' نمازِ آیات ' نمازِ میت ' نمازِ طواف

(ب): حضرت فاطمہ زہراؑ کے اس قول کی تشریح کیجئے:۔

"تم کو تکبر سے بچانے کے لئے تمہارے اوپر نماز واجب کی گئی ہے؟"

(ج): قرآن کہتا ہے "نماز فحشاء و منکر سے روکتی ہے"۔ اب جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود فحشا اور منکر میں مبتلا ہو تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

نمازِ پنج گانہ

پروردگارِ عالم نے ہم پر مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ روزانہ پانچ نمازیں پڑھنا فرض کی ہیں:۔

۱--- نمازِ فجر دو رکعت

۲--- نمازِ ظہر چار رکعت

۳--- نمازِ عصر چار رکعت

۴--- نمازِ مغرب تین رکعت

۵--- نمازِ عشاء چار رکعت

نماز صحیح ہونے کی شرائط

نماز کی درستگی اور درگاہِ خدا میں اس کی قبولیت کے لئے درجِ ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:۔

۱--- پاکیزگی: جسم اور لباس نجاستوں سے پاک ہوں۔

۲--- وضو: بغیر وضو کے نماز صحیح نہیں ہے۔ حدثِ اصغر سے طہارت کے لئے وضو اور حدثِ اکبر سے طہارت کے لئے غسل شرط ہے۔ حدثِ اکبر سے مراد جنابت و حیض وغیرہ ہے۔

۳-- سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا۔ا جیسے پاک زمین' سجدہ گاہ وغیرہ۔

۴-- نماز پڑھنے کی جگہ: جس جگہ پر انسان نماز پڑھے اس جگہ کا مباح ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے غصبی زمین پر نماز صحیح نہیں ہے۔۲۔

۵-- لباس غصبی نہ ہو: جیساکہ آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں چوری اور غصب حرام ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کپڑے کو چرالے یا اس کو غصب کرے یا کسی مال کو غصب کر کے یا چوری کر کے اس سے کپڑا خریدے اور اس میں نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے۔۳۔

۶-- قبلہ: بیت الحرام خانۂ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ضروری ہے۔

۷-- آگے پیچھے کا چھپانا بھی شرط ہے۔

۸-- ریشمی لباس میں مرد کی نماز صحیح نہیں ہے۔ اور نہ ہی سونا پہننا مرد کے لئے جائز ہے لیکن عورتوں کے لئے حالتِ نماز میں سونے کا پہننا اور ریشمی لباس پہننا دونوں جائز ہیں۔۴۔

عورتوں کا لباس

نماز پڑھتے ہوئے عورت کے لئے چہرہ' دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پیروں کے علاوہ پورا بدن چھپانا ضروری ہے۔ ۵۔

۱۔ امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے اور شافعی کہتے ہیں کہ جو چیزیں نمازی کے بدن یا لباس سے متصل ہوں ان سب کا پاک ہونا بھی ضروری ہے البتہ ابو حنیفہ پیشانی اور دونوں پیروں کی جگہ کا پاک ہونا کافی سمجھتے ہیں۔

۲۔ ۳۔ فقہائے اربعہ کے نزدیک نماز صحیح ہے مگر نمازی گنہگار ہوگا۔

۴۔ شافعی کے نزدیک صحیح ہے۔

۵۔ ابو حنیفہ کے نزدیک ہتھیلیوں کی پشت اور پیروں کے تلوؤں کا چھپانا ضروری ہے۔ شافعی و مالکی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمایئے)

مشق

سوال نمبر۱--- نمازِ فجر اور نمازِ عصر کی کتنی رکعات ہیں؟

سوال نمبر۲--- جو عورت کھلے سر نماز پڑھے اس کی نماز صحیح ہے یا باطل؟

سوال نمبر۳--- خالی جگہ پر کیجئے:-

ہر نماز میں..... کی طرف منہ کرنا واجب ہے۔

سوال نمبر۴--- مختصر الفاظ میں نماز کی شرائط بیان کیجئے؟

(گذشتہ صفحے کا بقیہ)

کے نزدیک چہرہ ' ہتھیلیوں کی پشت اور ہتھیلیوں کا چھپانا ضروری نہیں ہے۔ حنبلی صرف چہرے کو کھولنے کی اجازت دیتے ہیں۔

واجبات نماز

خداوندِ عالم کی جانب سے فرض کی گئی نمازوں میں بعض چیزیں واجب ہیں جنہیں انجام دیئے بغیر نماز درست نہیں [۱]۔ انہیں واجباتِ نماز کہتے ہیں جو درجِ ذیل ہیں:۔

۱--- نیت:۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں یہ ارادہ کریں کہ اس نماز کو ادا (واجب) قربۃً الی اللہ پڑھتے ہیں۔ مثلاً فجر کی نماز پڑھنی ہے تو اس طرح کہیں گے کہ "میں دو رکعت نمازِ فجر پڑھتا ہوں ادا واجب قربۃً الی اللہ"۔ جو بھی نماز ادا کریں اس کا اسی طرح دل میں ارادہ کریں۔

۲--- تکبیرۃ الاحرام:۔

دوسرا واجب تکبیرۃ الاحرام ہے یعنی اللہ اکبر کہنا۔ تکبیرۃ الاحرام کہتے ہی انسان نماز میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نہ گفتگو کر سکتا ہے نہ ہنس سکتا ہے، نہ کھا پی سکتا ہے اور نہ اِدھر اُدھر دیکھ سکتا ہے۔ کیوں کہ ان چیزوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (جب تک نماز ختم نہ ہو جائے یہ پابندی باقی رہتی ہے۔ مترجم)

۱۔ نمازِ میت کے علاوہ کیوں کہ وہ باقی نمازوں سے الگ ہے۔

۳--- قیام:-

واجب ہے کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھی جائے' البتہ اگر کوئی کسی مجبوری کی بنا پر کھڑا نہیں ہو سکتا تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو داہنی کروٹ لیٹ کر پڑھے' یہ بھی نہ ہو سکے تو بائیں کروٹ لیٹ کر پڑھے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو چت لیٹ کر پڑھے۔ لیکن جس طرح بھی پڑھے قبلہ کی طرف رخ کرنا واجب ہے۔

وضاحت:-

قیام کی حالت میں نمازی کے دونوں ہاتھ کھلے ہونے چاہئیں اور انہیں ران پر رکھے۔ ا۔

۴--- قرات اور ذکر:-

ہر نماز کی پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک دوسرے پورے سورے کا پڑھنا واجب ہے۔ البتہ تیسری اور چوتھی رکعت میں اختیار ہے جی چاہے سورۂ فاتحہ پڑھیں یا ذکر بجا لائیں۔ ذکر کا مطلب ہے: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الاّ اللہ واللہ اکبر اس کو کم از کم ایک مرتبہ پڑھے تین مرتبہ پڑھنا افضل ہے۔ ۲۔

ا۔ مالکی حضرات کے یہاں فرائض میں ہاتھوں کو کھلے رکھنا سنّت ہے۔ جس طرح باقی فرقے ہاتھ باندھنے کو واجب نہیں کہتے بلکہ سنّت جانتے ہیں..... یعنی نمازی کو اختیار ہے چاہے ہاتھوں کو کھولے رکھے چاہے باندھے رکھے۔ البتہ شیعوں کے یہاں ہاتھوں کا کھلا رکھنا واجب ہے۔

۲۔ حنفی حضرات کہتے ہیں کہ نمازی کے لئے جائز ہے کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں کوئی سورہ پڑھے اور یہ بھی جائز ہے کہ سورہ کے بدلے تسبیح پڑھے لیکن باقی تینوں فرقے ہر رکعت میں سورہ کا پڑھنا واجب سمجھتے ہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الخمسہ)

۵--- رکوع:-

اس کا مطلب ہے خداوندِ عالم کے سامنے خضوع کا اظہار کرتے ہوئے اتنا جھکنا کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ ہر رکعت میں ایک رکوع واجب ہے۔ ا۔ اور رکوع میں ذکر واجب ہے ۲۔ مثلاً سبحان ربی العظیم وبحمدہ کہنا۔

۶--- سجدہ:-

یعنی نمازی اپنی پیشانی، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور دونوں گھٹنوں اور دونوں پیروں کے انگوٹھوں کے سروں کو زمین پر رکھے ۳۔ - ہر رکعت میں دو سجدے واجب ہیں۔ سجدے میں یا تو تین مرتبہ سبحان اللّٰہ کہے یا سبحان ربی الاعلی وبحمدہ کہے۔ اس کے بعد بیٹھ جائے ۴۔ اور ذرا ٹھہر کر پھر دوبارہ پہلے ہی کی طرح سجدہ کرے اور اس میں ذکر کرے پھر بیٹھ جائے۔

۷--- تشہد:-

یہ بھی نماز میں واجب ہے۔ یہ دو رکعتی نمازوں میں (جیسے نمازِ فجر) ایک مرتبہ اور سہ رکعتی نماز (جیسے نماز مغرب) یا چار رکعتی نماز (جیسے ظہر، عصر، عشاء) میں دو مرتبہ واجب ہے۔ دو رکعتی نمازوں میں دوسری رکعت کے بعد اور باقی نمازوں میں ایک مرتبہ دوسری رکعت

ا۔ حنفی حضرات کے یہاں جھکنا واجب ہے چاہے جس طرح ہو اور رکوع میں توقف واجب نہیں ہے۔

۲۔ شافعی، مالکی، حنفی حضرات کہتے ہیں رکوع میں ذکر واجب نہیں ہے۔

۳۔ مالکی، شافعی، حنفی حضرات کے یہاں صرف پیشانی کو زمین پر رکھنا واجب ہے باقی اعضاء کا رکھنا مستحب ہے۔

۴۔ حنفی حضرات کے یہاں دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا واجب نہیں ہے۔

کے بعد اور دوبارہ نماز کی آخری رکعت کے بعد۔ا

تشہد کا صیغہ یہ ہے اشھد ان لا الہ الاّ اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد انّ محمدا عبدہ ورسولہ اللھم صل علی محمد وال محمد

ا۔ امامیہ اور حنبلی حضرات کہتے ہیں کہ پہلا تشہد واجب ہے۔ باقی فرقے واجب نہیں سمجھتے۔ البتہ آخری تشہد کو شافعی، شیعہ، حنبلی واجب سمجھتے ہیں اور مالکی و حنفی مستحب سمجھتے ہیں (بدایہ المجتہد جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۱۲۵) کتابوں میں تشہد کے کچھ مستحب صیغہ بھی آئے ہیں جن کو ہم یہاں پر ذکر کرنا چاہتے ہیں مثلاً ایک یہ ہے:۔

بسم اللہ والحمد للہ وخیر الأسماء للہ أشھد ان لا الہ الاّ اللہ وحدہ لا شریک لہ وأشھد أنّ محمداً عبدہ ورسولہ أرسلہ بالحق بشیراً ونذیراً بین یدی الساعۃ اشھد انک نعم الرب وأن محمداً نعم الرسول التحیات للہ والصلوات الطاھرات الزاکیات الغادیات الرائحات السابغات الناعمات ماطاب وزکا وطھر وخلص وصفا، أشھد أن لا الہ الاّ اللہ وحدہ لا شریک لہ و أشھد أن محمداً عبدہ ورسولہ أرسلہ بالحق بشیراً ونذیراً..... اللھم صل علیٰ محمد وآل محمد کماصلیت وبارکت وترحمت علیٰ ابراھیم وآل ابراھیم انک حمید مجید.....)

(عروۃ الوثقی فقیہ راحل سید محمد کاظم یزدی) اور اس کتاب کے حاشیہ پر بڑے بڑے علماء نے بھی موافقت کی ہے..... تشہد میں بنیادی چیزیں خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کی گواہی اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود ہے۔ کتاب کے متن میں تشہد کا مختصر صیغہ ہم نے نقل کر دیا ہے۔

شیعوں کے نزدیک تشہد کے بعد محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود واجب ہے جیساکہ شافعی نے آخری تشہد میں بھی وجوب کے لئے کہا ہے لہٰذا اگر کوئی درود نہیں پڑھتا تو اس کی نماز باطل ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے)

۸---- تسلیم:-

یہ نماز کا آخری جز ہے اس کا مشہور صیغہ "السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین" یا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہے لیکن افضل یہ ہے کہ پہلے "السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہے اس کے بعد "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" اور پھر "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہے۔ سلام کے بعد نماز ختم ہو جاتی ہے اور جو چیزیں حرام ہو گئی تھیں وہ سب حلال ہو جاتی ہیں۔ جیسے بات چیت، کھانا پینا وغیرہ

۹---- ترتیب:-

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس ترتیب سے ہم نے ذکر کیا ہے اسی طرح ایک کے بعد دوسرا عمل بجالائے۔

۱۰---- موالات:-

یعنی نماز کے افعال کو پے در پے انجام دے اور ان کے درمیان اتنا فاصلہ نہ ہو کہ محسوس

(گذشتہ صفحے کا بقیہ)

کتاب روضۃ ندیہ کے حاشیہ پر ہے کہ یہی بات حق ہے کیوں کہ خداوندِ عالم نے "یاایھاالذین آمنوصلوا علیہ و سلموا تسلیما" میں نبی پر درود بھیجنے کو واجب قرار دیا ہے چنانچہ جب یہ آیت اتری تو صحابہ نے درود کا طریقہ پوچھا تو رسولؐ نے درود کا طریقہ بتایا جو مشہور ہے۔ پس ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تشہد کے بعد درود واجب ہے۔ رسولِ خداؐ نے اصحاب کو حکم دیا "وہ لوگ اس کے پابند رہے اور تواتر کے ساتھ یہ بات ہم تک بھی پہنچی ہے۔ ترمذی میں ہے جو نبیؐ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز، نماز نہیں ہے" (ک ۴۵، ب ۶۴) سننِ ابنِ ماجہ (ک ا، ب ۳۱) اور خود امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں درود اور اس کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے یہی کہا ہے (ک ۱۳، ب ۳۱-۵۶)

ہو کہ یہ نماز ہی نہیں پڑھ رہا' مثلاً تکبیرۃ الاحرام کے بعد فاتحہ' فاتحہ کے فوراً بعد سورہ اور سورہ کے فوراً بعد...... وغیرہ۔

قنوت

قنوت کا مطلب خشوع و خضوع کے ساتھ خدا سے دعا کرنا۔ یہ نمازِ پنج گانہ میں مستحب ہے۔ بلکہ نافلہ نمازوں میں بھی مستحب ہے [۱]۔ دوسری رکعت میں حمد اور سورہ پڑھنے کے بعد اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھا جاتا ہے۔

قنوت میں کوئی بھی دعا پڑھ سکتے ہیں لیکن قرآنی دعائیں پڑھنا مستحب ہے جیسے ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ اور اسی طرح کی دوسری دعائیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

سوال نمبر۱ — صحیح سوال کے سامنے یہ (✓) علامت لگایئے اور غلط کے سامنے یہ (✕) نشان لگایئے:۔

الف: ہر رکعت میں دو سجدے واجب ہیں۔

۱۔ مالکی اور شافعی حضرات کے یہاں نمازِ صبح میں اور حنفی و حنبلی حضرات کے یہاں نمازِ وتر میں قنوت مستحب ہے۔

ب: نمازی ہاتھوں کو کھول کر رانوں پر رکھتا ہے۔

سوال نمبر۲-- اگر کوئی شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہے یا باطل؟ اور اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

سوال نمبر۳-- کیا نماز کے اجزاء میں ترتیب واجب ہے؟ موالات کے معنی بتایئے۔

سوال نمبر۴-- درجِ ذیل چیزوں کے بارے میں بتایئے کونسی چیز واجب ہے اور کونسی چیز مستحب؟

قنوت۔ تشہد۔ تسلیم

جہرواخفات

جہر: آواز کے ساتھ قرات کرنا۔

اخفات: بے آواز قرات کرنا۔[۱]

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک اور سورے کا مثلاً سورۂ توحید کا پڑھنا واجب ہے۔ نماز پنج گانہ میں مردوں کو بعض نمازیں بلند آواز (جہر) سے پڑھنی چاہئیں اور بعض نمازیں آہستہ (اخفات) پڑھنی چاہئیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

☆ نمازِ فجر، نمازِ مغرب، نمازِ عشاء کی پہلی اور دوسری رکعات کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔ البتہ عورتوں کی آواز اگر کوئی اجنبی مرد نہیں سن رہا ہو تو ان کو اختیار ہے چاہے بلند آواز سے پڑھیں یا آہستہ پڑھیں لیکن اگر اجنبی مرد عورتوں کی آواز سن رہا ہو تو پھر عورتوں کو آہستہ پڑھنا واجب ہے۔

☆ نمازِ ظہر اور نمازِ عصر خواہ مرد ہو یا عورت سب کو آہستہ پڑھنی چاہئے۔

۱۔ جہر واخفات میں شافعی حضرات شیعوں کے ہمنوا ہیں لیکن ابو حنیفہ کے نزدیک نمازی کو اختیار ہے چاہے بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ اور حنبلی حضرات کے یہاں فجر، مغرب، عشاء کی پہلی اور دوسری رکعت میں جہر مستحب ہے۔ صاحب کتاب رحمۃ الامہ تحریر کرتے ہیں کہ "تمام اصحاب مذاہب متفق ہیں کہ جہری نمازیں زور سے اور اخفائی نمازوں میں آہستہ پڑھنا سنت ہے۔"

☆ نمازِ ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعت میں آہستہ قرات کرنی چاہیے، خواہ سورہ فاتحہ پڑھے یا تسبیحاتِ اربعہ۔

سوال نمبر ۱--- جہر کی تعریف کیجیے؟

سوال نمبر ۲--- صحیح حکم کے سامنے یہ علامت (✓) اور غلط حکم کے سامنے یہ علامت (X) لگائیے۔

الف: نمازِ ظہر مردوں کو بلند آواز سے پڑھنی چاہیے۔

ب: مغرب کی نماز عورتوں کو بلند آواز سے پڑھنی چاہیے۔

ج: نمازِ فجر اور عشاء مردوں کو بلند آواز سے پڑھنی چاہیے۔

د: نمازِ عصر کو مرد اور عورت دونوں آہستہ پڑھیں۔

شکیّاتِ نماز

نماز پڑھتے ہوئے نمازی کو کبھی رکعات کی تعداد کے بارے میں شک ہو جاتا ہے مثلاً ایک رکعت پڑھی ہے یا دو رکعت؟ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار رکعت؟ ۔ ا۔

اگر دورانِ نماز رکعات کی تعداد کے بارے میں شک ہو تو بعض حالتوں کا علاج ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ نمازی نماز مکمل کرے اور اس کے بعد نمازِ احتیاط پڑھ لے اس کی نماز صحیح ہوگی ۔۲۔

لیکن بعض ایسی صورتیں ہیں جن کا علاج ممکن نہیں ہے اور نماز باطل ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں نماز کا پھر سے پڑھنا ضروری ہے۔

ا۔ شافعی ، مالکی ، حنبلی کہتے ہیں: اگر رکعات کی تعداد میں شک ہو جائے اور نہ معلوم ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تو کم پر بنا رکھے اور جتنی رکعات باقی ہوں ان کو بجا لائے۔ لیکن ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے "اگر زندگی میں پہلی مرتبہ شک ہوا ہے تب تو اعادہ کرے اور اگر اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے تو غور و فکر کرے۔ جس طرف ظنِ غالب ہو اس پر عمل کرے اور پھر بھی شک رہے تو کم پر بنا رکھے۔

۲۔ مدرس کو چاہئے کہ طالب علموں کو نمازِ احتیاط عملاً ادا کر کے بتائے کہ کہاں ایک رکعت کھڑے ہو کر، کہاں دو رکعت کھڑے ہو کر اور کہاں دو رکعت بیٹھ کر اور کہاں دو رکعت بیٹھ کر اور دو رکعت کھڑے ہو کر پڑھی جائے گی۔

تنبیہ :۔ چار رکعتی نماز میں اگر پہلی اور دوسری رکعت میں شک ہو تو نماز باطل ہے نماز توڑ کر پھر سے دوبارہ پڑھے۔

ہم یہاں پر صرف ان شکوک کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو عموماً نمازیوں کو لاحق ہوتے ہیں۔

☆ دوسری اور تیسری رکعت کے بارے میں شک ہو لیکن اس شک کے علاج کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ شک دوسرا سجدہ مکمل کرنے کے بعد ہوا ہو۔ لیکن اگر دوسرا سجدہ مکمل ہونے سے پہلے شک ہو جائے تو نماز باطل ہے۔ اس شک کا علاج یہ ہے کہ تین رکعت مان کر نماز تمام کرے اور نماز ختم کرنے کے بعد ایک رکعت نمازِ احتیاط کھڑے ہو کر یا دو رکعت نمازِ احتیاط بیٹھ کر پڑھے۔

☆ دوسرے سجدے کے مکمل کر لینے کے بعد شک ہو جائے کہ یہ دوسری رکعت ہے یا چوتھی تو نمازی چار مان کر نماز تمام کرے اور نماز ختم کرنے کے بعد دو رکعت نمازِ احتیاط کھڑے ہو کر پڑھے۔

☆ تیسری اور چوتھی رکعت کے بارے میں شک ہو' یہ شک چاہے جہاں ہو' رکوع میں' سجدے میں' قیام میں اس کا علاج یہ ہے کہ چار پر بنا کر کے نماز تمام کرے اور ایک رکعت کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر نمازِ احتیاط پڑھے۔

☆ آخری سجدہ کرنے کے بعد چار اور پانچ میں شک ہو جائے تو چار پر بنا کر کے نماز ختم کرے اور آخر میں دو سجدۂ سہو کرے۔ یہاں نمازِ احتیاط کی ضرورت نہیں ہے۔

☆ حالتِ قیام میں چار اور پانچ میں شک ہو تو فوراً بیٹھ جائے اور یہ اس کی چوتھی رکعت ہو گی۔ نماز ختم کر کے ایک رکعت نمازِ احتیاط کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر پڑھے۔

نمازِ احتیاط

پہلے نیت کرے پھر تکبیرۃ الاحرام کہے اور اس کے بعد صرف سورۂ فاتحہ پڑھے' دوسرا سورہ نہ پڑھے اور رکوع میں چلا جائے پھر (اگر بیٹھ کر احتیاط نہیں پڑھ رہا ہے) کھڑا ہو جائے اس کے بعد دونوں سجدے بجالائے پھر تشہد پڑھ کر سلام پڑھے۔

نمازِ واجب میں جتنی شرائط ہیں مثلاً طہارت' استقبال قبلہ وغیرہ وہ سب نمازِ احتیاط کے لئے بھی شرط ہیں۔

سوال نمبر۱--- درجِ ذیل سوالوں میں جو غلط ہوں ان کی اصلاح کیجئے:۔

(الف): نماز میں ہر شک کا علاج ختمِ نماز کے بعد نمازِ احتیاط پڑھنے میں ہے۔

(ب): چار رکعتی نمازوں میں اگر پہلی اور دوسری میں شک ہو جائے تو نہ نماز کا توڑنا جائز ہے نہ دوبارہ پڑھنا۔

(ج): اگر حالتِ قیام میں چار اور پانچ رکعات کے بارے میں شک ہو جائے تو نمازی کو چوتھی رکعت سمجھ کر بیٹھ جانا چاہئے۔

سوال نمبر۲--- نمازِ عشاء پڑھتے ہوئے اگر آپ کو تین اور چار رکعت کے بارے میں شک ہو جائے اور ابھی دوسرے سجدے سے فارغ بھی نہ ہوئے ہوں تو کیا کریں گے؟

سوال نمبر۳---   اگر کوئی کہے کہ نمازِ احتیاط ہر حالت میں دو ہی رکعت ہے تو آپ اس شخص کی تائید کریں گے یا تردید؟

سجدۂ سہو

☆ اگر نمازی بھول کر نماز میں بات کرلے 'یا جس جگہ سلام نہیں پھیرنا تھا وہاں سلام پھیرلے... یا نمازی رکعتوں میں شک کرے کہ اس نے چار رکعت پڑھی ہیں یا پانچ تو اس کی نماز تو صحیح ہے البتہ نماز مکمل کرنے کے بعد اسے دو سجدۂ سہو بجالانے چاہئیں۔

☆ اگر نمازی بھولے سے صرف ایک سجدہ کرے یا تشہد بھول جائے اور نہ پڑھے اور اس کو ایسی جگہ پر یاد آئے جہاں اس بھولے ہوئے تشہد یا سجدہ کا بجالانا ممکن نہ ہو تو اپنی نماز پڑھتا رہے 'نماز صحیح ہے لیکن نماز ختم کرکے بھولے ہوئے سجدہ کی یا بھولے ہوئے تشہد کی قضا کرے اور پھر دو سجدۂ سہو بھی کرے۔

سجدۂ سہو کا طریقہ[۱]

۱-- نماز ختم کرکے بلافاصلہ سجدۂ سہو کا بجالانا واجب ہے۔

۲-- سجدۂ سہو کی نیت تو واجب ہے لیکن اس میں تکبیرۃ الاحرام واجب نہیں ہے۔

۳-- سجدے میں یہ ذکر کرے۔ بسم اللّٰہ وباللّٰہ السلام علیک ایّھا النبیؐ ورحمتہ اللّٰہ وبرکاتہ

۴-- دونوں سجدے تمام کرکے تشہد پڑھے۔

۵-- تشہد کے بعد سلام پڑھے۔

---

[۱] امام ابو حنیفہ کہتے ہیں دو سجدے کرکے تشہد پڑھنا پھر سلام پڑھنا اور رسولِ خداؐ پر درود اور دعا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمایئے)

سوال نمبر۱--   صحیح عبارت کے سامنے درست کی علامت (✓) لگایئے اور غلط عبارت کے سامنے غلط کی علامت (✗) لگایئے۔

الف: جو شخص جان بوجھ کر دو مرتبہ سورۂ حمد پڑھے اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔

ب: جو شخص تشہد بھول جائے اس کے اوپر واجب ہے کہ نماز ختم کرنے کے بعد دو سجدۂ سہو بجا لائے۔

سوال نمبر۲--   سجدۂ سہو کا طریقہ کیا ہے؟ اس کو بیان کیجئے۔

سوال نمبر۳--   کیا سجدۂ سہو کرتے وقت روبہ قبلہ ہونا ضروری ہے؟

(گذشتہ صفحے کا بقیہ)

پڑھنے کا نام سجدۂ سہو ہے۔ اگر وقت وسیع ہے تو سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے ورنہ وقت گزرنے کے بعد سجدۂ سہو ساقط ہیں۔

مالکی کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو سجدے کرے اس کے بعد تشہد پڑھے نہ درود کی ضرورت ہے نہ دعا کی۔ اب اگر سجدۂ سہو کسی کمی کی بنا پر ہو یا زیادتی اور کمی دونوں کی وجہ سے ہو تو سلام سے پہلے بجا لائے اور اگر صرف زیادتی کی بنا پر ہو تو سلام کے بعد بجا لائے۔

حنبلی حضرات کہتے ہیں سجدۂ سہو سلام سے پہلے اور سلام کے بعد بھی بجا لایا جا سکتا ہے۔

شافعی کہتے ہیں سجدۂ سہو کی جگہ تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے۔

قضا نمازیں

☆ خداوندِ عالم کا حکم ہے کہ نماز کو اس کے معیّن (اور فضیلت) کے وقت پر پڑھا کرو۔ نماز پڑھنے میں سستی نہ کرو، نماز چھوڑو نہیں...... لیکن اس کے بعد بھی کبھی انسان سو جاتا ہے اور مثلاً سورج نکلنے کے بعد آنکھ کھلتی ہے اور نمازِ فجر قضا ہو جاتی ہے یا کبھی بھول جاتا ہے اور وقت گزر جانے کے بعد یاد آتا ہے کہ نماز نہیں پڑھی تو ایسی صورتوں میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا واجب ہے۔

☆ جو شخص جہالت کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا "یعنی اس کو یہ معلوم ہی نہیں کہ نماز واجب ہے" اس پر بھی قضا واجب ہے۔

☆ اگر کوئی مسلمان (معاذ اللہ) جان بوجھ کر نماز نہیں پڑھتا تو اس پر توبہ و استغفار تو واجب ہے ہی لیکن اسی کے ساتھ چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا بھی واجب ہے۔

☆ عورت کی جو نمازیں حیض یا نفاس کے زمانہ میں چھوٹ جائیں ان کی قضا واجب نہیں ہے۔

☆ اگر نماز کے پورے وقت کے دوران کوئی دیوانہ، یا بے ہوش ہو تو اس پر بھی قضا واجب نہیں ہے۔[۱]

۱۔ حنفی حضرات کا کہنا ہے اگر دیوانہ یا بے ہوش پانچ نمازوں سے زیادہ وقت تک دیوانہ یا بے ہوش

(حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمایئے)

☆ اصلی کافر (جیسے بت پرست) یا کتابی (جیسے یہودی و عیسائی) اگر مسلمان ہو جائے تو اس پر زمانہ کفر کی چھوٹی ہوئی نمازیں یا روزے یا دیگر واجبات کی قضا واجب نہیں ہے۔

سوال نمبر ۱ ــ تین ایسی حالتوں کا ذکر کیجئے جن میں مکلف پر چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا واجب ہے۔

سوال نمبر ۲ ــ درج ذیل سوالوں کے صرف "ہاں" یا "نہیں" میں جواب دیجئے۔

(الف): دیوانہ پر نماز کی قضا واجب نہیں ہے؟

(ب): عورت پر حیض و نفاس کے زمانہ میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا واجب ہے؟

سوال نمبر ۳ ــ کیا کافرِ اصلی پر زمانہ کفر میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا واجب ہے؟

(گذشتہ صفحے کا بقیہ)

رہے تب تو اس سے نماز کی قضا ساقط ہے لیکن اگر صرف پانچ نمازوں یا اس سے کم وقت ہو تو قضا واجب ہے۔ مالکی حضرات کہتے ہیں دیوانے اور بے ہوش پر بھی قضا واجب ہے۔ حنبلی حضرات کہتے ہیں بے ہوش آدمی پر قضا واجب ہے لیکن دیوانہ پر قضا واجب نہیں ہے اور شیعوں کا مسلک وہ ہے جو متن میں لکھا جا چکا ہے۔

نمازِ جماعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو پانچ وقت کی نماز پڑھے اس سے حسنِ ظن رکھو۔"

اسلام میں سب سے پہلی نمازِ جماعت مسجد الحرام مکہ مکرمہ میں پیغمبرِ اسلامؐ کی اقتداء میں حضرت علیؑ نے پڑھی۔ جنابِ ابوطالب نے یہ دیکھا تو اپنے بیٹے جعفر کو حکم دیا' بیٹا تم بھی اپنے چچازاد بھائی کے پیچھے نماز پڑھو (یعنی پیغمبرؐ کے پیچھے' حضرت علیؑ کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ)۔ اور یوں جعفر کو ملا کر تین آدمی ہو گئے۔

تمام واجب نمازوں ۱۔ کو جماعت ۲۔ سے پڑھنا مستحب ہے اور خدا کے نزدیک فرادیٰ نماز سے کہیں افضل ہے۔ اس نماز سے ہمیں اتحاد کا سبق ملتا ہے اور احساس پیدا ہوتا ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' سب مل کر خدا کی عبادت کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہؐ باجماعت نماز کی بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے۔

نوٹ: مدرسین کو چاہئے کہ بچوں کو مدرسے میں عملی طور سے نمازِ جماعت کی مشق کرائیں۔

۱۔ حنبلی حضرات کہتے ہیں کہ قدرت ہوتے ہوئے ہر فرد پر نمازِ جماعت واجبِ عینی ہے' لیکن اگر کوئی نہ پڑھے بلکہ فرادیٰ پڑھے تو وہ گنہگار رہے مگر اس کی نماز صحیح ہے۔

۲۔ جمعہ اور عیدین میں جب تک دیگر شرائط بھی مکمل نہ ہو جائیں جماعت واجب نہیں ہوتی اور جب شرائط مکمل ہو جائیں تو فرادیٰ نہیں پڑھی جا سکتی البتہ جمعہ فرادیٰ پڑھی ہی نہیں جا سکتی۔

احکام:-

یوں تو نمازِ جماعت کے احکام بہت سے ہیں لیکن ہم یہاں صرف ضروری شرائط و احکام کا ذکر کریں گے۔

۱-- امام کا بالغ' عاقل' حلال زادہ ہونا ضروری ہے' اس لئے بچّے' دیوانے اور ولدالحرام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

۲-- امام اچھی قرائت کر سکتا ہو اور اچھی طرح نماز پڑھ سکتا ہو۔

۳-- امام مومن اور متقی ہو۔ فاسق و کافر کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں۔

۴-- امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ماموم کے کھڑے ہونے کی جگہ سے بہت زیادہ اونچی نہ ہو۔ بس اتنی اونچی ہو کہ عام طور سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام مامومین سے بہت اونچا ہے۔

۵-- پہلی اور دوسری رکعت میں امام ہی سورۂ حمد اور دوسرے سورے کی تلاوت کرے گا۔ مامومین صرف سنتے رہیں گے۔

۶-- امام اور ماموم کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو جیسے دیوار وغیرہ' البتہ عورتوں اور مردوں کے درمیان پردہ ڈالا جا سکتا ہے[۱]۔

۷-- افعالِ نماز' جیسے رکوع' سجود اور تکبیرۃ الاحرام میں امام کی پیروی واجب ہے۔ امام سے پہلے کوئی فعل انجام دینا درست نہیں۔

۱۔ شافعی حضرات کہتے ہیں: اگر امام اور ماموم میں تین سو ہاتھ سے زیادہ کی مسافت ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ درمیان میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔

حنفی کہتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنے گھر سے امام کی اقتدا کرے اور امام کی حرکات و سکنات کا علم ماموم کو ہوتا رہے اور کوئی چیز دیوار کے علاوہ حائل نہ ہو تو اقتدا کر سکتا ہے لیکن اگر گھر اور مسجد میں راستے یا نہر حائل ہے تو اقتدا نہیں کر سکتا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے)

۸--- مردوں کی امامت صرف مرد کر سکتا ہے۔ البتہ عورت' عورت کے پیچھے اور مرد کے پیچھے بھی نماز پڑھ سکتی ہے [۱]

۹--- اگر جماعت میں مرد اور عورت دونوں موجود ہوں تو امام کے پیچھے مرد ہوں گے اور مردوں کے پیچھے عورتیں ہوں گی اس کے برعکس جائز نہیں۔

۱۰--- جماعت کے منعقد ہونے کے لئے کم از کم دو آدمیوں کی موجودگی ضروری ہے ایک امام اور ایک ماموم۔

مشق

سوال نمبر۱- صحیح عبارتوں کے سامنے صحیح کی علامت (✓) اور غلط عبارتوں کے سامنے غلط کی علامت (✗) لگائیں؟

(الف): عورت کی امامت عورت کر سکتی ہے۔

(ب): نمازِ جماعت میں بچے کی اقتدا ہو سکتی ہے۔

(ج): امام اور مامومین کے درمیان آڑ کی موجودگی میں اقتدا درست ہو سکتی ہے۔

(د): فاسق کے پیچھے نماز صحیح ہے۔

(گذشتہ صفحے کا بقیہ)

مالکی حضرات کہتے ہیں: اگر ماموم صحیح طور پر امام کی اقتدا کر سکے یعنی اس کی حرکات و سکنات کے ساتھ ساتھ عمل کر سکے تو اختلافِ مکان کے باوجود اس کی اقتدا درست ہوگی۔

[۱] مالکی حضرات کے یہاں عورت' عورت کی بھی امام نہیں ہو سکتی۔

جماعت میں شامل ہونے کا طریقہ

۱۔ اگر کوئی شخص نمازِ جماعت میں شروع سے شریک نہیں ہو سکا تو جس رکعت سے چاہے شریک ہو سکتا ہے۔ اس کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ البتہ شریک ہونے کی شرط یہ ہے کہ امام جب رکوع میں جائے تو یہ امام کے ذکرِ رکوع ختم کرنے سے پہلے رکوع میں شریک ہو جائے اس طرح یہ اس کی پہلی رکعت شمار ہو گی۔

۲۔ اگر نمازی کسی بھی چار رکعتی نماز کی تیسری رکعت میں شامل ہو جائے تو جماعت کی تیسری اور چوتھی رکعت میں جو اس کی پہلی اور دوسری رکعت ہو گی اس کے لئے حمد و سورہ کا پڑھنا ضروری ہے [۱]۔ اگر وقت کم ہو تو صرف حمد ہی پڑھ لے اور پھر جب جماعت کی چوتھی رکعت تمام ہو تو یہ اپنی نماز پڑھتا رہے اور اپنی تیسری اور چوتھی رکعت کو فرادیٰ پڑھے۔

۳۔ جماعت میں شریک ہونے والا اگر یہ دیکھے کہ شریک ہونے کے بعد وہ سورہ نہیں پڑھ

۱۔ حنفی، حنبلی، مالکی حضرات کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ جو رکعت پڑھے گا وہ ماموم کی آخری رکعت ہو گی۔ مثلاً امام مغرب کی تیسری رکعت پڑھ رہا تھا اور ماموم اسی رکعت میں شریک ہوا تو اس کی بھی یہ آخری رکعت ہو گی۔ البتہ ماموم کو چاہئے کہ اس کے بعد ایک رکعت ایسی پڑھے جس میں حمد و سورہ و تشہد پڑھے اور دوسری رکعت پڑھے جس میں صرف حمد و سورہ ہو۔ لیکن شافعی اور شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ جس رکعت میں شریک ہوا ہے اس کو اپنی پہلی رکعت قرار دے۔

پائے گا تو بہتر یہ ہے کہ جب امام رکوع میں جائے تو یہ نیت کر کے تکبیرۃ الاحرام کے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع میں شریک ہو جائے۔

۴-- اگر نمازی جماعت میں شریک ہو اور یہ پتہ نہ چلے کہ یہ امام کی دوسری رکعت ہے یا تیسری تو اگر وقت وسیع ہے تو حمد و سورہ پڑھ لے ورنہ صرف سورۃ فاتحہ پر اکتفا کرے۔

سوال نمبر۱-- اگر امام سجدہ میں ہو تو کیا نمازی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے؟

سوال نمبر۲-- جب امام کی چوتھی رکعت میں کوئی شریک ہو اور امام نماز تمام کرے تو یہ شخص کیا کرے؟

سوال نمبر۳-- اگر کوئی امام کی دوسری رکعت میں شریک ہوا اور امام نے دوسری رکعت ختم کر کے تشہد پڑھنا شروع کر دیا تو یہ شخص بھی امام کے ساتھ تشہد پڑھے یا نہیں؟ اور کیوں؟

مسافر کی نماز

اپنے بندوں پر خدا کے لطف و کرم میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے ان پر عائد فرائض و واجبات کو آسان و سہل رکھا ہے۔ اس کی ایک مثال مسافر کی نماز کا قصر ہو جانا ہے یعنی دورانِ سفر چار رکعتی نمازوں ظہر، عصر، عشاء کو دو رکعت قرار دے دینا ہے ۱۔

قصر کے شرائط

شریعتِ اسلامیہ نے نماز قصر ہونے کے لئے چند شرائط مقرر کی ہیں، اگر شرائط مکمل ہوں تو نماز قصر ہو گی ورنہ نہیں۔

۱۔ مسافت: یعنی پورا سفر آٹھ فرسخ سے کم نہ ہو چار فرسخ جانا ۲۔ چار فرسخ آنا یا مثلاً آٹھ فرسخ جانا۔ یہ مسافت آج کل کے حساب سے تقریباً ۴۵ کلو میٹر ہوتی ہے۔

۲۔ ابتدائے سفر ہی سے مندرجہ بالا مسافت (۴۵ کلو میٹر) کا قصد کرنا۔ اسی طرح قصد کا

۱۔ شیعوں کے نزدیک سفر میں نماز کا قصر کرنا واجب ہے۔ اسی طرح حنفی حضرات کے یہاں بھی اور امام شافعی کے نزدیک بھی پوری پڑھنے سے قصر پڑھنا بہتر ہے۔ باقی حضرات کے یہاں قصر جائز ہے۔ ویسے اکثر کے نزدیک قصر واجب ہے۔

۲۔ اہلِ بیتؑ کے نزدیک ۸ فرسخ ہے۔ ابو حنیفہ کے نزدیک ۲۴ فرسخ جانا ہے۔ حنبلی، مالکی، شافعی کے نزدیک ۱۶ فرسخ جانا ہے۔

مسافت طے ہونے تک باقی رہنا بھی ضروری ہے۔ اسی لئے اگر کوئی ابتدائے سفر میں پوری مسافت کی نیت نہیں کرتا تو چاہے وہ آٹھ فرسخ چلا جائے پھر بھی نماز قصر نہ ہوگی۔

۳۔۔ سفر مباح ہو[۱]: لہٰذا اگر سفر حرام ہے مثلاً کوئی ظلم کرنے کی نیت سے سفر کرے یا ظالم کی مدد کرنے کے لئے سفر کرے تو اس کی نماز قصر نہ ہوگی۔

۴۔۔ مسافت پوری ہونے سے پہلے مسافر کا ارادہ کسی شہر میں دس دن قیام کرنے کا نہ ہو اور اسی طرح کسی تردد کا شکار بھی نہ ہو یعنی شک میں مبتلا ہو کہ پتہ نہیں دس دن قیام کرنا ہوگا یا نہیں۔ بلکہ یقین ہونا چاہئے کہ دس دن قیام نہیں کرنا ہے۔[۲]

۵۔۔ مسافر کا ارادہ اپنے وطن سے گزرنے کا نہ ہو۔ اور نہ تردد ہو کہ گزرے گا یا نہیں گزرے گا۔

مزید احکام

۱۔۔ اگر کوئی ایک شہر سے دوسرے شہر میں جائے (اور دونوں کے درمیان شرعی مسافت پائی جائے) اور وہاں دس دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت کرے تو وہ پوری نمازیں پڑھے گا۔ قصر نہیں۔

۲۔۔ اگر مسافر کسی جگہ تیس دن قیام کی نیت کئے بغیر ٹھہرے تو اکتیسویں دن سے نماز پوری

۱۔ حنفی حضرات کے یہاں چاہے سفر حرام بھی ہو پھر بھی قصر ضروری ہے۔ یعنی سفر کا مباح ہونا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ ابو حنیفہ کے نزدیک پندرہ (۱۵) دن قیام کا ارادہ ہے، مالکی و شافعی کے نزدیک چار دن ہے اور حنبلی کے نزدیک اتنی مدّت ہے کہ جس میں بیس (۲۰) نمازوں سے زیادہ پڑھ سکتا ہو۔

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ)

پڑھے اب نماز قصر نہ ہو گی۔ا۔

۳۔۔ جس شخص کا پیشہ ہی سفر ہو جیسے ڈرائیور' ملاح ۲۔' پھیری لگانے والا وغیرہ یا جس کا مکان اس کے ساتھ ساتھ ہو' جیسے صحرانشین (خانہ بدوش وغیرہ ۳۔) تو اس کی نماز قصر نہیں ہو گی اسے پوری نماز پڑھنی چاہئے۔

۴۔۔ جب تک مسافر حدِّ ترخص تک نہ پہنچے نماز قصر نہیں کر سکتا۔ حدِّ ترخص سے مراد یہ ہے کہ جہاں سے اس کا گاؤں دکھائی نہ دے اور گاؤں کی واضح علامات دکھائی نہ دیں۔

مشق

سوال نمبر۱۔۔ درجِ ذیل حالات میں مسافر نماز قصر کرے گا یا نہیں؟ وجہ بھی بیان کیجئے؟

(الف): چوبیس کلو میٹر طے کرنے کے بعد اپنا سفر ختم کر دے۔

(ب): جو شکاری کسی حیوان کا پیچھا کرتا ہوا چالیس کلو میٹر تک چلا جائے۔

(ج): جو شخص کسی پر ظلم کرنے کی نیت سے تیس کلو میٹر تک چلا جائے۔

سوال نمبر۲۔۔ جو شخص کسی شہر میں سفر کر رہا ہے اور اسی شہر میں کچھ دور جا کر دس دن

ا۔ یہ حکم مکتبِ اہلِ بیتؑ میں ہے۔

۲۔ یہ حکم مکتبِ اہلِ بیتؑ اور حنبلی حضرات کے یہاں ہے۔

۳۔ یہ حکم مکتبِ اہلِ بیتؑ میں ہے۔

ٹھہرنے کی نیت کرے تو اس کی نماز قصر ہوگی یا نہیں؟

سوال نمبر۳-- جو چرواہا پینتالیس (۴۵) کلو میٹر تک کا سفر کرے اس کی نماز پوری ہوگی یا قصر؟

سوال نمبر۴-- جو مسافر کسی دوسرے شہر میں بتیس (۳۲) دن قیام کرے اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

نمازِ جمعہ

رب العزت کا ارشاد ہے۔

یا ایھاالذین امنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعتہ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذرو االبیع ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون

(سورۃ جمعہ ۶۲ آیت نمبر۹)

"اے ایمان والو جب تمہیں جمعہ کے دن پکارا جائے تو ذکرِ خدا کی طرف دوڑ پڑو اور کاروبار بند کردو کہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جاننے والے ہو"

اسلام کی واجب عبادتوں میں سے اہم ترین عبادت اور عظیم ترین شعار نمازِ جمعہ ہے.....

........رسولِ خدا جب مدینہ منورہ پہنچے تو اسی ہفتہ نمازِ جمعہ واجب ہوئی۔ رسولِ خدا کے مدینہ پہنچنے کے چار دن بعد لوگ وادیٔ (قبا) میں نمازِ جمعہ کے لئے جمع ہوئے۔ آنحضرتؐ نے جمعہ کے دو خطبے کے پھر دو رکعت نماز پڑھائی' اسلام میں یہ پہلی نمازِ جمعہ تھی۔

نماز جمعہ کا مقصد جہاں خدا کی عبادت ہے وہیں اس میں اجتماعی' سیاسی اور تربیتی مقاصد بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ ایک ہفتہ واری اجتماع ہے جس میں مسلمان جمع ہو کر خطیب کی باتیں سنتے ہیں اور خطیب اپنے خطبہ میں اسلامی احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تازہ ترین سیاسی

صورتحال کا بھی ذکر کرتا ہے اور لوگ آپس میں میل ملاقات کرتے اور ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لئے لوگوں کو ابھارتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر نماز کے لئے جاؤ" تاکہ ذکرِ خدا کے ساتھ ساتھ محبت و خشیتِ الٰہی دل میں پیدا ہو' مسلمانوں کے ساتھ اکٹھا ہونے کی عادت پڑے اور اجتماعی اعمال کی عادت پختہ ہو۔ نمازِ جمعہ ایک ایسا منظم پروگرام ہے جس کا مقصد مسلمانوں کی تربیت اور ہدایت ہے۔

نمازِ جمعہ کی اسی اہمیت کی وجہ سے رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے:۔

"جو شخص نمازِ جمعہ کے لئے قدم اٹھائے گا خدا جہنم کو اس کے جسم پر حرام قرار دے دے گا"۔[۱]

اسی طرح آنحضرتؐ کا حکم ہے کہ جمعہ کے خطبہ کے دوران لوگ ایک دوسرے سے بات چیت نہ کریں بلکہ نہایت خاموشی اور توجہ کے ساتھ خطبہ سنیں' چنانچہ ایک روایت میں آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"جو شخص خطبۂ جمعہ کے دوران بیکار باتیں کرتا ہے اس کی نماز درست نہیں ہوتی"۔[۲]

اسی لئے نمازِ جمعہ کے احکام میں ہے کہ دونوں خطبوں کا سننا واجب ہے۔

نمازِ جمعہ کا طریقہ

نمازِ فجر کی طرح نمازِ جمعہ بھی دو رکعت ہے' لیکن نمازِ جمعہ سے پہلے دو خطبوں کا ہونا ضروری ہے۔ پہلا خطبہ دوسرے خطبہ سے طویل ہونا چاہئے۔ دونوں خطبوں کے درمیان امام کو تھوڑی

۱۔ وسائل الشیعہ۔ جلد نمبر۵ صفحہ نمبر۰۷

۲۔ تحف العقول عن آلِ الرسولؐ

دیر کے لئے بیٹھ جانا چاہئے۔ جمعہ کے دن نمازِ ظہر کے بدلے نمازِ جمعہ پڑھنی چاہئے۔

نمازِ جمعہ کے احکام

۱-- نمازِ جمعہ فرادیٰ نہیں پڑھی جا سکتی۔ جمعہ کی جماعت میں کم از کم پانچ افراد کا ہونا ضروری ہے[۱]۔ ایک امامِ عادل[۲] اور چار ماموم' اس سے کم میں نمازِ جمعہ نہیں ہو سکتی۔ بصورتِ دیگر نمازِ جمعہ کے بدلے نمازِ ظہر پڑھنی چاہئے۔

۲-- امامِ جمعہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ امامت کی نیت کرے۔

۳-- نمازِ یومیہ میں جن شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے نمازِ جمعہ میں بھی وہ سب ملحوظ رکھنا چاہئیں۔ جیسے طہارت اور قبلہ رخ ہونا وغیرہ۔

۴-- مسافر' عورت اور مریض پر نمازِ جمعہ واجب نہیں ہے۔

۵-- اگر کسی مسجد میں نمازِ جمعہ منعقد ہو تو جو لوگ اس مسجد سے دو فرسخ یا اس سے کم فاصلہ پر ہوں[۳] ان کا نماز میں شریک ہونا ضروری ہے لیکن جو لوگ اس سے زیادہ فاصلہ پر ہوں ان پر حاضری واجب نہیں ہے۔

۶-- تقریباً ساڑھے پانچ کلومیٹر سے کم فاصلہ پر دو نمازِ جمعہ نہیں ہو سکتیں۔ اور یہ تقریباً ۳ میل بنتا ہے اگر اس سے کم فاصلے پر دو یا اس سے زیادہ نمازِ جمعہ ہوں تو جو نماز سب سے پہلے ہوگی

۱۔ امام مالک کے نزدیک امام کے علاوہ بارہ آدمی ہونا ضروری ہیں۔ شافعی اور حنبلی کہتے ہیں کہ امام کو ملا کر کم از کم چالیس اشخاص ہونے چاہئیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کم از کم پانچ افراد کا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ حنفی حضرات بادشاہ کے وجود کو کافی سمجھتے ہیں چاہے وہ غیر عادل ہی ہو۔

۳۔ تقریباً ۱۱ کلومیٹر۔

اس کے علاوہ باقی نمازیں باطل ہیں۔ یہ شرط اس لئے ضروری ہے تاکہ صرف ایک جماعت کا انعقاد کیا جائے اور مسلمان ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں۔

مشق

سوال نمبر۱-- نمازِ جمعہ پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟

سوال نمبر۲-- کیا نمازِ جمعہ میں خطبے واجب ہیں؟ اور کیا نمازیوں کے لئے خطبوں کا سننا ضروری ہے؟

سوال نمبر۳-- نمازِ جمعہ کیا ہے؟ افراد اور معاشرہ پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

نمازِ آیات

جب ایسے حالات و واقعات رونما ہوں جن سے لوگ خوفزدہ ہو جائیں، جیسے شدید آندھی چلنا، بجلی چمکنا، زلزلے وغیرہ تو اس وقت نمازِ آیات واجب ہوتی ہے۔

سورج گہن ۱؎، چاند گہن کے موقع پر چاہے چاند سورج پورے گہنا گئے ہوں یا جزئی طور سے اور اس سے لوگ خوفزدہ ہوں یا نہ ہوں، نمازِ آیات واجب ہے۔

نمازِ آیات کا طریقہ ۲؎

نمازِ فجر کی طرح یہ بھی دو ہی رکعت ہے۔ لیکن اس میں اور نمازِ فجر میں فرق یہ ہے کہ نمازِ فجر میں ہر رکعت میں صرف ایک ہی رکوع ہے لیکن نمازِ آیات کی ہر رکعت میں پانچ

۱؎ مذاہب اربعہ (حنبلی، مالکی، شافعی، حنفی) سورج گہن و چاند گہن کی نماز کو سنّتِ مؤکدہ کہتے ہیں واجب نہیں سمجھتے۔

۲؎ ابو حنیفہ کے نزدیک اس نماز کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے بلکہ دو رکعت اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں ایک قیام اور ایک رکوع ہو جائے ویسے نمازِ آیات کو چار رکعت اور اس سے زیادہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ حنبلی، شافعی، مالکی کے نزدیک دو رکعت ہے ہر رکعت میں دو قیام اور دو رکوع ہیں۔ تکبیرۃ الاحرام کے بعد حمد و سورہ پڑھے پھر رکوع کرکے ٹھہر جائے پھر حمد و سورہ پڑھے اور رکوع کرکے سجدے میں جائے۔ پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو اور اس کو بھی پہلی رکعت کی طرح بجالائے۔

رکوع ہیں۔ پس اس طرح دو رکعت میں دس رکوع ہوں گے۔ تفصیل یہ ہے -

☆-- نیت کر کے تکبیرۃ الاحرام کہے پھر سورۂ حمد اور قرآن کا کوئی ایک سورہ (مثلاً سورہ توحید) پڑھے اور رکوع میں چلا جائے۔

☆-- رکوع سے کھڑا ہو کر پھر سورۂ حمد اور کوئی سورہ پڑھے اور پھر رکوع میں چلا جائے۔

☆-- رکوع سے کھڑا ہو کر پھر سورۂ حمد اور کوئی سورہ پڑھے اور پھر رکوع میں چلا جائے۔

☆-- رکوع سے کھڑا ہو کر پھر سورۂ حمد اور کوئی سورہ پڑھے اور پھر رکوع میں چلا جائے۔

☆-- رکوع سے کھڑا ہو کر پھر سورۂ حمد اور کوئی سورہ پڑھے لیکن اس میں مستحب یہ ہے کہ پہلے قنوت پڑھے پھر رکوع میں جائے۔

☆-- پانچواں رکوع کر کے سجدہ میں جائے اور دو سجدے بجا لائے دونوں سجدے کر کے کھڑا ہو جائے اور پہلی رکعت کی طرح دوسری رکعت میں بھی پانچ رکوع کرے۔اس رکعت میں بھی پانچویں رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا مستحب ہے۔ رکوع کے بعد دونوں سجدے کر کے تشہد پڑھے پھر سلام پھیرلے۔

نمازِ آیات کے احکام

اس نماز کے ویسے تو بہت سے احکام ہیں لیکن ہم صرف اہم احکام بیان کریں گے تاکہ واجب ادا کیا جا سکے۔

۱-- نمازِ پنج گانہ میں جن شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے نمازِ آیات میں بھی وہی ملحوظ رکھنی چاہئیں۔ جیسے طہارت، روبہ قبلہ ہونا وغیرہ۔

نوٹ: مدرسین کو چاہئے کہ نمازِ آیات عملی طور سے پڑھ کر دکھائیں اور طالب علموں کو اس کی مشق کرائیں۔

۲۔۔ چاند گہن و سورج گہن کی صورت میں نماز کا وقت گہن لگتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور جب تک گہن ختم نہ ہو جائے وقت باقی رہتا ہے۔

۳۔۔ لوگوں پر نمازِ آیات اسی وقت واجب ہو گی جب گہن وغیرہ انہیں کے شہر میں لگے لیکن کسی دوسرے شہر میں گہن لگنے کی صورت میں نماز واجب نہ ہو گی۔

۴۔۔ قدرتی حادثات پر اگر نمازِ آیات نہیں پڑھی تو اس کی قضا واجب ہے۔ جیسے زلزلے، بجلیاں اور آندھی وغیرہ جن کے ہونے کی اطلاع اس وقت ہوتی ہے جب یہ ختم ہو جاتے ہیں جیسے سونے والے کو زلزلے کا علم دوسری صبح کو ہوتا ہے۔

۵۔۔ اگر سورج گہن اور چاند گہن کے ختم ہونے کے بعد گہن کا علم ہو تو اگر گہن پورا لگا تھا تو اس کی قضا واجب ہے لیکن اگر پورا گہن نہ لگا ہو تو قضا واجب نہیں۔

مشق

سوال نمبر۱۔۔ درجِ ذیل حالات میں شرعی فریضہ کیا ہو گا بیان کیجئے:۔

(الف): اگر ریڈیو سے پتہ چلے کہ آپ کے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں زلزلہ آیا ہے تو کیا آپ پر نمازِ آیات واجب ہے؟

(ب): اگر سورج گہن تھوڑا سا ہو اور آپ دیکھ رہے ہوں تو کیا نمازِ آیات واجب ہے؟

(ج): پورا چاند گہن ہو لیکن آپ کو دوسرے دن معلوم ہو تو کیا نمازِ آیات کی قضا واجب ہے؟

سوال نمبر۲۔۔ نمازِ آیات اور نمازِ صبح میں کیا فرق ہے؟

سوال نمبر۳۔۔ کیا طہارت اور قبلہ رخ ہونا نمازِ آیات میں بھی واجب ہے؟

نمازِ عید

خداوندِ عالم نے دو عیدیں قرار دی ہیں۔
ایک عید الفطر جو رمضان المبارک ختم ہونے کے بعد منائی جاتی ہے۔ جس میں لوگ جشن مناتے ہیں، خوشی کا اظہار کرتے ہیں، ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں، ایک دوسرے کو ماہِ رمضان ختم ہونے کی مبارکباد دیتے ہیں۔ یہ عید شوال کی پہلی تاریخ کو منائی جاتی ہے۔
دوسری عید، عیدِ قربان کہلاتی ہے جو دسویں ذی الحجہ کو منائی جاتی ہے، اس دن اس روز کی عظمت ظاہر کرنے اور فریضۂ حج کی ادائیگی پر خوشی منائی جاتی ہے۔
ان دونوں عیدوں میں خداوندِ عالم نے ایک مخصوص نماز قرار دی ہے جس کو نمازِ عید کہا جاتا ہے۔

نمازِ عید کا طریقہ

یہ نماز بھی نمازِ فجر کی مانند دو رکعت ہے البتہ پہلی رکعت میں حمد و سورہ کے بعد پانچ تکبیریں ہیں اور ہر تکبیر کے بعد ایک قنوت ہے اور دوسری رکعت میں حمد و سورہ کے بعد چار تکبیریں ہیں اور ہر تکبیر کے بعد ایک قنوت ہے۔
یہ بھی جائز ہے کہ ہر رکعت میں تین تکبیریں کہے اور ہر تکبیر کے بعد ایک قنوت پڑھے۔

قنوت میں ویسے تو کوئی بھی دعا پڑھ سکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ دعا پڑھے ۔

اللھم اھل الکبریاء والعظمتہ واھل الجود والجبروت واھل العفو والرحمتہ واھل التقوی والمغفرۃ اسئلک بحق ھذا الیوم الذی جعلتہ للمسلمین عیدا ولمحمد صلی اللہ علیہ والہ ....ذخرا وشرفا و کرامتہ و مزیدا ان تصلی علی محمد وال محمد کا فضل ماصلیت علی عبدمن عبادک وصل علی ملائکتک ورسلک واغفرللمومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات اللھم انی اسئلک خیر ماسئلک منہ عبادک الصالحون واعوذبک من شرمااستعاذ منہ عبادک المخلصون

اس نماز کی تفصیل اس طرح ہے:۔

۱-- سب سے پہلے نمازِ عید کی نیت کر کے تکبیرۃ الاحرام کہے۔

۲-- سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کا کوئی بھی سورہ پڑھ سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ سورۂ الشمس یا سورۂ الاعلیٰ پڑھے ۔

۳-- سورہ ختم کر کے تکبیر کہے پھر ہاتھوں کو اٹھا کر دعائے قنوت پڑھے، قنوت میں کوئی بھی دعا پڑھ سکتا ہے لیکن افضل وہ دُعا ہے جسے ہم نے پہلے تحریر کیا ہے۔

۴-- قنوت پڑھ کر پھر تکبیر کہے اور پھر وہی دعائے قنوت پڑھے اس کے بعد پھر تکبیر کہے اور دعائے قنوت پڑھے!اسی طرح پانچ تکبیریں کہے اور ہر تکبیر کے بعد قنوت پڑھے ۔

۵-- جب پانچ قنوت مکمل ہو جائیں تو رکوع میں جائے اور اس کے بعد دو سجدے کرے جیسے نمازِ یومیہ میں کرتے ہیں۔

۶-- دونوں سجدے مکمل کر کے دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو اور حمد و سورہ پڑھ کر تکبیر کہے اور قنوت پڑھے پھر اسی طرح چار تکبیریں کہے اور چار قنوت پڑھے اور پھر رکوع کر کے دونوں سجدے کرے پھر تشہد و سلام پڑھ کر نماز تمام کرے۔

نمازِ عید کے احکام

۱ــ یومیہ نمازوں کی طرح نمازِ عیدین میں بھی طہارت ' رو بہ قبلہ ہونا اور دیگر شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۲ــ نمازِ عیدین میں اذان و اقامت نہیں ہے 'ہاں موذّن کے لئے مستحب ہے کہ تین مرتبہ الصلوۃ کہے۔

۳ــ نمازِ عید کا وقتِ ادا طلوعِ آفتاب[۱] سے لے کر زوالِ آفتاب تک رہتا ہے۔

۴ــ اس نماز کو بلند آواز سے پڑھنا مستحب ہے۔

۵ــ جب امامِ عادل نمازِ عید پڑھائے تو اس میں حاضر ہونا واجب ہے۔

سوال نمبر۱ــ اسلامی عیدوں کے بہت سے فائدے ہیں ان میں سے کچھ کا ذکر کیجئے؟

سوال نمبر۲:ــ

(الف): نماز عید کی کتنی رکعات ہیں؟

(ب): امامِ جماعت اگر ہر رکعت میں تین تکبیریں کہے اور ہر تکبیر کے بعد قنوت پڑھے تو کیا

۱۔ حنبلی حضرات کے یہاں جب سورج نیزہ بھر چڑھ جائے تو اس وقت سے نماز کا وقت شروع ہوتا ہے اور ظہر کا وقت داخل ہونے تک رہتا ہے۔

اس کی نماز صحیح ہے؟

(ج): اگر پیش نماز نے پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں اور ہر تکبیر کے بعد قنوت پڑھا اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں کہے اور ہر تکبیر کے بعد قنوت پڑھے تو کیا اس کی نماز صحیح ہے؟

سوال نمبر۳:۔

(الف): نمازِ عید کا وقت بتایئے۔

(ب): خالی جگہوں کو پر کیجئے۔

نمازِ عید میں اذان واقامت تو نہیں ہے لیکن مستحب ہے کہ..... تین مرتبہ..... کہے۔

نمازِ میّت

۱۔ مسلمان کی نمازِ جنازہ واجبِ کفائی ہے۔ یعنی ایسا واجب ہے کہ اگر بعض مسلمان نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو باقی تمام مسلمانوں سے اس کا پڑھنا ساقط ہو جاتا ہے اور اگر کوئی نہ پڑھے تو سب گنہگار رہیں۔ میّت کو غسل دینا، کفن پہنانا، اس پر نماز پڑھنا یہ سب واجبِ کفائی ہیں۔

۲۔ جس مرنے والے کی عمر پورے چھ سال نہ ہوئی ہو اس کی نمازِ جنازہ واجب نہیں ہے۔ ۱۔

۳۔ میّت کو غسل دینے، کفن پہنانے، حنوط لگانے ۲۔ کے بعد اس پر نماز پڑھنی چاہیے۔

نمازِ میّت کا طریقہ

☆ میّت کو اس طرح چت لٹایا جائے کہ اس کا سر نمازی کے داہنی طرف اور دونوں پیر نمازی کے بائیں طرف ہوں اور نمازی روبہ قبلہ کھڑا ہو۔

☆ میّت پر نماز پڑھنے کی نیت کرے اور نماز شروع کرے یعنی پانچ تکبیریں دعا کے ساتھ کہے۔ ۳۔

۱۔ شافعی و مالکی کے نزدیک اگر بچّہ روتا ہوا پیدا ہو، یعنی زندہ پیدا ہو اور پھر مرجائے تو اس کی بھی نمازِ جنازہ واجب ہے۔ حنفی اور حنبلی کہتے ہیں کہ اگر ماں کے پیٹ میں بچّہ چار ماہ کا پورا ہو چکا ہو تو اس کی نمازِ میّت واجب ہے۔

۲۔ پیشانی، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں، دونوں پیروں کے انگوٹھوں کے کنارے پر کافور ملنا۔

۳۔ مذاہبِ اربعہ (حنبلی، شافعی، مالکی، حنفی) میں صرف چار تکبیریں ہیں۔

☆ پہلی تکبیر کے بعد شہادتین ..... یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ..... کہے۔

☆ دوسری تکبیر کے بعد محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجے۔

☆ تیسری تکبیر کے بعد مومنین کے لئے عفو و مغفرت کی دعا کرے۔

☆ چوتھی تکبیر کے بعد مَیّت کے لئے عفو و مغفرت کی دعا کرے' اور اگر مَیّت بچّے کی ہو تو یہ دعا پڑھے۔ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لِاَبَوَيْهِ وَلَنَا سَلَفاً وَفَرَطاً وَاَجْراً"

☆ پھر پانچویں تکبیر کہنے کے بعد نماز کو ختم کرے۔

وضاحت

○-- نمازِ مَیّت میں نہ تو قرات ہے نہ رکوع ہے اور نہ ہی سجدے ہیں بلکہ اس میں طہارت بھی واجب نہیں ہے [۱]۔

○-- مرد پر عورت نمازِ جنازہ پڑھ سکتی ہے جس طرح عورت کی مَیّت پر مرد نمازِ جنازہ پڑھ سکتا ہے۔

○-- نمازِ مَیّت جماعت سے پڑھنی مستحب ہے۔

○-- اگر کسی میت کو نماز پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو۔ خواہ بھولے سے ایسا ہوا ہو یا کسی مجبوری کی بنا پر..... یا مَیّت پر جو نماز پڑھی گئی ہو وہ صحیح نہ ہو تو مَیّت کی قبر پر اسی طرح نماز پڑھنی چاہئے جس طرح دفن سے پہلے پڑھی جاتی۔

۱۔ مذاہب اربعہ کے نزدیک نمازِ مَیّت صحیح ہونے کے لئے طہارت ضروری ہے۔

سوال نمبر۱۔۔ درجِ ذیل صورتوں میں کونسی نماز صحیح ہے اور کونسی باطل ہے۔ بیان کیجئے:۔

(الف): اگر کوئی شخص بغیر وضو کے یا بغیر غسل و تیمم کے نماز پڑھے۔

(ب): اگر نمازی اور میّت کے درمیان کوئی پردہ پڑا ہو۔

(ج): میّت پر نماز پڑھنے والا قبلہ رخ نہ ہو۔

سوال نمبر۲۔۔ نمازِ میّت میں کتنی تکبیریں ہیں؟

روزہ

رَبّ العزت کا ارشاد ہے:۔

شهر رمضان الذی انزل فیه القران هدی للناس وبینات من الهدی والفرقان فمن شهد منکم الشهر فلیصمه و من کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدة ولتکبروا الله علی ماهدا کم ولعلکم تشکرون۔

"ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس مہینہ میں اپنی جگہ پر ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ روزہ رکھے اور جو مریض یا مسافر ہو وہ اتنے ہی دن دوسرے زمانہ میں روزہ رکھے۔ خدا تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے زحمت نہیں۔ اور اتنے ہی دن کا حکم اس لئے ہے کہ تم عدد پورے کردو اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی کبریائی کا اقرار کرو اور شاید تم اس طرح اس کے شکرگزار بندے بن جاؤ۔"

(سورہ بقرہ ۲ آیت ۱۸۵)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

یا ایها الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون

"اے صاحبانِ ایمان تمھارے اوپر روزے اسی طرح لکھ دیئے گئے ہیں جس طرح تمھارے پہلے والوں پر لکھے گئے تھے۔ شاید تم اسی طرح متقی بن جاؤ"۔

(سورہ بقرہ ۲ آیت ۱۸۳)

پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں کہ:۔

"روزہ دار جب تک کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے تو اس کا سونا بھی عبادت ہے"۱۔

"اگر کوئی رمضان کا روزہ خدا کی خوشنودی کے لئے اور ایمان کے ساتھ رکھے تو خدا اس کے تمام گزشتہ گناہوں کو بخش دیتا ہے"۲۔

ایک حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

"لوگو! خدا کا مہینہ برکت و رحمت و مغفرت کے ساتھ تمھارے سامنے آگیا ہے۔ یہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل ہے، اس کے دن تمام دنوں سے افضل ہیں، اس کی راتیں تمام راتوں سے افضل ہیں، اس کی ساعتیں تمام ساعتوں سے افضل ہیں"۳۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:۔

"رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنّت ہے۔ یہ مواسات (لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے) کا مہینہ ہے۔"۴۔

۱۔ فروعِ کافی جلد ۴، صفحہ ۱۹۱۔

۲۔ ترمذی جلدی ۳، صفحہ ۶۷۔۱۷۱ اور مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۴۴۔

۳۔ وسائل الشیعہ جلد ۷، کتاب الصوم صفحہ ۲۲۷ طبع پنجم۔

۴۔ حوالہ سابق صفحہ نمبر ۲۲۲

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

خدا نے مالدار اور غریب میں مساوات پیدا کرنے کے لئے روزے کو واجب قرار دیا ہے' کیوں کہ مالدار کو تو جو چاہے اور جس وقت چاہے مل جاتا ہے۔ اس لئے اسے کبھی بھوک کا احساس ہی نہ ہوتا جس کی بناء پر وہ فقیر پر رحم کرتا۔ اس لئے خدا نے اپنی مخلوق میں برابری قائم رکھنے کے لئے اور مالدار کو بھوک و تکلیف کا احساس دلانے کے لئے تاکہ اس طرح اس کا دل فقیر کے لئے نرم ہو جائے اور وہ بھوکوں پر رحم کرے' روزے کو واجب قرار دیا ہے۔ [۱]

روزہ -- ایک عبادی فریضہ ہے جس کو خدا نے ہم سے پہلے والی امتوں پر اسی طرح واجب قرار دیا تھا جس طرح ہم پر واجب قرار دیا ہے۔

روزہ -- اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے۔ سال کے ایک معیّن مہینے میں واجب ہے اور اس مہینے کو رمضان المبارک کہتے ہیں۔

روزہ -- کے مقاصد جہاں عبادی و تربیتی ہیں وہاں اخلاقی بھی ہیں اور اس کے مقاصد و فوائد بہت زیادہ ہیں۔

روزہ -- انسان کو اس بات کی تربیت دیتا ہے کہ وہ خدا کی اطاعت کو ہر چیز پر مقدّم رکھے' خدا کی محبت کو اپنے نفس کی محبت پر مقدّم رکھے' نفس کی لذتوں پر مقدّم رکھے۔

مسلمان اس مہینہ میں حکمِ خدا پر لبیک کہتا ہے' کھانا پینا اور دیگر بہت سی لذتوں کو صرف خدا کی مرضی و اطاعت کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

روزہ -- انسان کو مشقتوں کے برداشت کرنے کا عادی بناتا ہے' انسان کے ارادہ کو مضبوط

۱۔ حوالہ سابق صفحہ نمبر ۳

کرتا ہے۔ اسی طرح انسان میں خدا کی عبادت اور احکام و قوانینِ الٰہی پر عمل کرنے کا احساس بیدار کرتا ہے۔

روزے دار اپنے نفس کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ خدا نے جن چیزوں کے ترک کرنے کا اس مہینے میں اسے حکم دیا ہے وہ انہیں ترک کرے' اس طرح گویا وہ اپنے نفس کو اطاعتِ ربّ کا عادی بناتا ہے۔

روزہ --- مسلمانوں کو اچھے اخلاق اور حسنِ سلوک کی مشق کرواتا ہے۔

روزہ --- مالدار روزے دار کو فقیر کی بھوک کا احساس دلاتا ہے۔ اس طرح مالدار فقیروں کی مدد پر آمادہ ہوتا ہے اور فقیروں کے مصائب کو کم کرنے کے بارے میں سوچتا ہے۔

روزہ --- تمام مسلمانوں میں یہ احساس بیدار کرتا ہے کہ وہ سب خدا کی بارگاہ میں برابر ہیں اور یہ احساس اس لئے دلاتا ہے تاکہ ان کے اندر یہ شعور پیدا ہو جائے کہ تمام مسلمان واجبات اور حقوق میں برابر کے بھائی ہیں۔

اس کے علاوہ روزے کے طبّی فوائدے بھی ہیں۔ رسولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے:۔

"روزہ رکھو اور صحت حاصل کرو"

علمائے طب کے یہاں یہ بات مسلّم ہے کہ روزہ جسم کو آرام پہنچاتا ہے اور بہت سے امراض کا علاج ہے۔

روزہ واجب ہونے کے شرائط

جب تک درجِ ذیل شرائط نہ پائی جائیں اس وقت تک روزہ واجب نہیں ہوتا۔

۱--- بلوغ:۔ اسی لئے نابالغ پر روزہ واجب نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ روزہ رکھے تو روزہ صحیح ہے۔

۲--- عقل:۔ اسی لئے پاگل و دیوانے پر روزہ واجب نہیں ہے۔

۳-- حضور:- (یعنی مسافر نہ ہونا) کیوں کہ مسافر پر روزہ واجب نہیں ہے بلکہ اگر سفر میں روزہ رکھے تو باطل ہے۔

۴-- بے ہوش نہ ہو:- اسی لئے بے ہوش آدمی پر روزہ واجب نہیں ہے۔

۵-- حیض و نفاس سے پاک ہو:- کیوں کہ حائضہ عورت اور نفساء پر جب تک خون بند نہ ہو جائے روزہ واجب نہیں ہوتا' بلکہ اس حالت میں روزہ رکھنا باطل ہے۔

۶-- روزے کی قدرت رکھتا ہو:- اسی لئے مریض' بہت بوڑھے مرد' بہت بوڑھی عورت کہ جن کو روزہ رکھنا بہت مشکل ہو' ان پر روزہ واجب نہیں ہے۔ حاملہ عورت[۱] اور اس دودھ پلانے والی عورت پر بھی روزہ واجب نہیں ہے جس کے دودھ پلانے سے خود اس کو یا اس کے بچّے کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔

نیت

دیگر عبادات کی طرح روزے میں بھی نیت بنیادی شرط ہے۔ روزے کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اسے قربتاً الی اللہ کی نیت سے رکھا جائے۔

۱-- روزہ رکھنے والا پورے ماہِ رمضان کی نیت ایک ہی مرتبہ کر سکتا ہے۔ اور روزانہ ہر روزے کی نیت بھی کر سکتا ہے۔

۲-- روزے کے صحیح ہونے کی شرط میں یہ بھی شامل ہے کہ دن کے آخری حصّہ تک روزے کی نیت پر باقی رہے۔ لہٰذا اگر روزہ کے درمیان افطار کی نیت کرے یا روزے کو باقی رکھنے نہ رکھنے میں تردد کا شکار ہو جائے تو روزہ باطل ہو جاتا ہے' چاہے وہ نیت کے بعد نہ کچھ کھائے نہ

۱۔ مذاہب اربعہ میں ہے کہ اگر حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی کو اپنے لئے یا اپنے بچّے کے لئے روزہ سے خطرہ ہو تب بھی اس کا روزہ صحیح ہے اور اگر وہ روزہ نہ رکھے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

نوٹ: مسافر' مریض' حائضہ و نفساء پر چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا واجب ہے۔

پڑے۔ اور اسی کے ساتھ واجب ہے کہ روزہ باطل ہو جانے کے باوجود دن بھر کچھ کھائے پیے بھی نہیں۔ اور رمضان کے بعد اس روزے کی قضا بھی واجب ہو گی۔

روزہ کب واجب ہوتا ہے؟

رمضان المبارک کے مہینے میں ہر مکلف پر روزہ رکھنا واجب ہے اس فریضے کی ادائیگی کے لئے ہر مسلمان پر اوّل رمضان اور آخر رمضان سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

اسلامی شریعت نے پہلی اور آخری تاریخ کی پہچان کے لئے کچھ طریقے معیّن کیے ہیں جن کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

۱۔۔ رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر پہلی اسی طرح ثابت ہو جاتی ہے جس طرح شوال کا چاند دیکھ کر عید الفطر ثابت ہوتی ہے۔

۲۔۔ اگر کسی فطری سبب سے مثلاً بادل ' کہر ' غبار وغیرہ کی وجہ سے رمضان کا چاند نہ دکھائی دے تو شعبان کے تیس دن پورے ہونے کے بعد رمضان کی پہلی تاریخ ہو گی۔

۳۔۔ شوال کا چاند دیکھ کر عید ثابت ہوتی ہے ' اگر چاند دکھائی نہ دے تو رمضان کے تیس دن پورے کرنے کے بعد عید منانی چاہیے۔

چاند کس طرح ثابت ہوتا ہے

چاند ثابت ہونے کے لئے شریعت نے تین طریقے معیّن کیے ہیں۔

☆ اگر کوئی خود چاند دیکھے تو اگر رمضان کا چاند ہے تو روزہ رکھنا واجب ہے۔ اور اگر شوال کا چاند دیکھے تو پھر عید کرنا واجب ہے۔

☆ اگر دو عادل اشخاص چاند دیکھنے کی شہادت دے دیں تو ہمارے اوپر روزہ رکھنا یا عید کرنا

واجب ہو جائے گا۔ ا۔

☆ جب چاند ہونے کی خبر مسلمانوں میں اس طرح عام ہو جائے کہ اس سے یقین حاصل ہو جائے تو مکلّف کو اسے مان لینا چاہئے اور اسی پر بھروسہ کر کے رمضان کی ابتدا ہو تو روزہ رکھنا چاہئے' شوال کی ابتداء ہو تو عید منانی چاہئے۔ ۲۔

روزہ باطل کرنے والی چیزیں

مندرجہ ذیل نو چیزوں سے روزہ باطل ہو جاتا ہے انہیں مفطرات کہتے ہیں۔

۱۔۔۔ کھانا' پینا۔

۲۔۔۔ جماع کرنا۔

۳۔۔۔ جان بوجھ کر خدا اور رسولؐ پر جھوٹ باندھنا۔

۴۔۔۔ جان بوجھ کر پورے سر کو پانی میں ڈبو دینا ۳۔

ا۔ حنفی حضرات کہتے ہیں کہ رمضان کا چاند تو ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے جبکہ وہ مسلمان ہوں' عاقل ہوں' عادل ہوں لیکن شوال کے چاند کی جب تک دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دیں ثابت نہیں ہوتا۔

شافعی حضرات کہتے ہیں کہ چاند خواہ رمضان کا ہو یا شوال کا ایک عادل کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ مسلمان عاقل اور عادل ہو۔

۲۔ بعض فقہا کا نظریہ ہے کہ جب فقیہِ عادل کے نزدیک چاند ثابت ہو جائے اور وہ حکم دے دے تب تو روزہ رکھنا یا عید منانا واجب ہے ورنہ نہیں۔ ہاں اگر مکلّف کے نزدیک اس کے خلاف ثابت ہو تو مکلّف اپنے علم کے مطابق عمل کرے۔

۳۔ مذاہبِ اربعہ کا کہنا ہے کہ پورے سر کا پانی میں ڈوب جانا روزے کو باطل نہیں کرتا۔

۵-- جان بوجھ کر طلوعِ فجر تک جنابت پر باقی رہنا۔ پس اگر روزہ دار رات کو جنب ہو جائے اور جان بوجھ کر غسل نہ کرے یا غسل نہ کرسکنے کی صورت میں تیمم نہ کرے تو اسکا روزہ باطل ہو جاتا ہے ا۔

۶-- منی کا نکالنا ۲۔

۷-- سیال چیز سے انیما لینا بشرطیکہ وہ انسان کے پیٹ تک چلا جائے۔

۸-- جان بوجھ کر قے کرنا ۳۔

۹-- غلیظ غبار کا پیٹ تک پہنچانا۔

وضاحت

☆.. آنکھ، کان، ناک میں ڈالی ہوئی دوا اگر پیٹ میں پہنچ جائے تو روزہ باطل نہیں ہوتا۔

☆.. انجکشن لگوانے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

☆.. اگر انسان بھولے سے کسی مفطر چیز کا استعمال کرلے تو اس کا روزہ صحیح ہے ۴۔

قضا و کفارہ

۱۔ اگر کوئی شخص مذکورہ مفطرات میں سے کسی چیز کا استعمال کرے تو اس پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں۔

۱۔ مذاہبِ اربعہ کا کہنا ہے کہ روزہ صحیح ہے روزہ دار پر کچھ نہیں ہے۔

۲۔ مذاہبِ اربعہ کا کہنا ہے کہ منی نکالنے سے قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

۳۔ حنفی حضرات کا کہنا ہے کہ جان بوجھ کر قے کرنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا ہاں اگر منہ بھر کے قے ہو تو روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

۴۔ مالکی حضرات کفارہ کے قائل ہیں۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ ایک روزہ کے بدلے میں یا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا متواتر دو مہینے روزہ رکھے یا ایک غلام آزاد کرے[۱]۔

۲۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر حرام چیز سے روزہ توڑ دے مثلاً روزے کی حالت میں شراب پی لے تو اس روزے کی قضا تو واجب ہے ہی تینوں کفارے بھی واجب ہیں (یعنی غلام آزاد کرنا، دو مہینے متواتر روزے رکھنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا)۔

روزے کے احکام

ارشادِ ربّ العزت ہے:۔

شهر رمضان الذی انزل فیه القران هدی للناس وبینات من الهدی والفرقان فمن شهد منکم الشهر فلیصمه ومن کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر ○

(سورہ بقرہ ۲ آیت ۱۸۵)

شریعتِ اسلامیہ نے جو کچھ ہم پر واجب کیا ہے اس میں بنیادی چیز آسانی و سہولت ہے۔ اسی لئے اسلام کو آسان شریعت کہا جاتا ہے۔ قرآن کا اعلان ہے کہ:۔

"یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"

"خدا تمہارے بارے میں آسانی چاہتا ہے زحمت نہیں"۔

(سورہ بقرہ ۲، آیت ۱۸۵)

اسی بنیاد پر اور بندوں کو مشکلات اور تکالیف سے محفوظ رکھنے کے لئے خداوندِ عالم نے مریض اور مسافر کو حکم دیا ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور اسلام نے سفر و حضر میں روزہ رکھنے اور نہ

۱۔ شافعی، حنبلی اور حنفی ترتیب کے قائل ہیں: پہلے غلام آزاد کرے، یہ نہ کر سکے تو روزے رکھے، یہ بھی نہ کر سکے تو کھانا کھلائے۔

رکھنے کے احکام بیان کر دیے ہیں۔

۱۔۔ جس شخص کا سفر آمد و رفت ملا کر تقریباً ۴۵ کلو میٹر ہو یا ساڑھے بائیس کلو میٹر جانا اور ساڑھے بائیس کلو میٹر آنا ہو وہ سفر میں روزہ نہیں رکھ سکتا۔

۲۔۔ زوال سے پہلے سفر کرے تو روزہ نہیں رکھ سکتا ا۔ اگر زوال کے بعد سفر کرے تو روزہ رکھنا ہو گا۔

۳۔۔ سفر، گناہ کی غرض سے نہ ہو۔ مثلاً کسی کو ناحق قتل کرنے کے لئے سفر ہے تو روزہ رکھنا ہو گا۔

۴۔۔ اگر کوئی شخص اپنے وطن یا محلِ اقامت میں ظہر سے پہلے سفر سے واپس آجائے تو روزہ رکھنا واجب ہے۔ روزے کو توڑ نہیں سکتا۔

۵۔۔ اگر مسافر کسی جگہ دس دن قیام کی نیت کرے یا اسے معلوم ہو کہ یہاں دس دن قیام کرنا ہے تو پھر وہاں روزہ بھی رکھے اور نماز بھی پوری پڑھے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی جگہ تیس دن تک حالتِ تردّد میں قیام کرے تو اکتیسویں دن نماز پوری پڑھنی پڑے گی۔

۶۔۔ جس کا پیشہ سفر ہو جیسے ملاح، ڈرائیور یا اس کا پیشہ سفر سے وابستہ ہو، جیسے پھیری لگا کر بیچنے والا، تو یہ اشخاص روزہ نہیں توڑ سکتے چاہے انکا سفر ۴۵ کلو میٹر سے بھی زیادہ ہو، بلکہ ان پر روزہ رکھنا واجب ہے۔

تنبیہہ

مسافر کے حالتِ سفر میں جو روزے چھوٹ گئے ہیں دوسرے رمضان کے آنے سے پہلے

ا۔ مذاہبِ اربعہ کے نزدیک روزہ نہ رکھنے کی دیگر معتبر شرائط کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ سفر کی ابتدا طلوعِ فجر سے پہلے کرے، اگر طلوعِ فجر کے بعد سفر شروع کرے تو روزہ رکھنا واجب ہے اور نہ رکھے تو قضا واجب ہے مگر کفارہ نہیں ہے۔

ان کی قضا کرلینا واجب ہے۔

نوٹ: عید الفطر اور عیدِ قربان کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ ۱؎

مستحب روزے

اسلام نے واجب روزوں کے علاوہ کچھ مستحب روزے بھی بتائے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱)..... ہر ماہ میں تین دن روزے رکھنا مستحب ہے۔

(۲)..... پورے ماہِ رجب و ماہِ شعبان کے روزے مستحب ہیں۔

جنابِ رسولِ خداؐ مستحب روزوں کی بہت تاکید فرماتے تھے چنانچہ آپؐ سے روایت ہے۔

"جو شخص ہر ماہ میں تین روزے رکھے، اس نے گویا زندگی بھر روزے رکھے کیوں کہ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے": "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا" "جو ایک نیکی کرے گا، خدا اس کو دس گنا ثواب دے گا۔"

سوال نمبر۱۔ روزہ اسلام کا ایک اہم رکن ہے، اس کے مقاصد عبادی، تربیتی، اخلاقی وغیرہ ہیں۔ روزے کے مختصر فوائد و مقاصد بیان کیجئے؟

۱؎ حنفی حضرات کہتے ہیں شدید مکروہ ہے ایسی کراہت ہے جو حرمت کے قریب ہے۔

سوال نمبر۲۔ صحیح جواب کے سامنے یہ علامت (✓) اور غلط جواب کے سامنے یہ علامت (✗) بنائیں:۔

(الف): اگر بادل کی وجہ سے ماہِ رمضان کا چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کے تیس دن مکمل کرنے کے بعد رمضان کی ابتداء کرنی چاہئے۔

(ب): پورے سر کو پانی میں ڈبو دینے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

(ج): طلوع فجر تک جنابت پر باقی رہنے والے کا روزہ صحیح ہے۔

(د): زوال کے بعد اپنے وطن سے سفر کرنے والا روزے دار روزہ توڑ سکتا ہے۔

(ح): سفر سے اپنے وطن قبل از زوال آجانے والے مسافر کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہے۔

(و): اگر بچّے کو ضرر نہ پہنچے تو اس کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔

(ز): حائض و نفساء پر روزہ رکھنا واجب ہے۔

(ہ): بچّے کو دودھ پلانے والی عورت پر روزہ واجب ہے چاہے روزہ رکھنے سے اس کا دودھ کم ہو جائے۔

سوال نمبر۳۔ ماہِ رمضان میں جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ کیا ہے؟

فطرہ

اسلام نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا لحاظ رکھا ہے اور خصوصی طور پر اقتصادی پہلو کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ چنانچہ اس کے لئے قوانین وضع کیے ہیں..... فقیروں سے فقر کو دور کرنے کے لئے مالداروں پر کچھ ٹیکس واجب کیے ہیں۔ انہیں میں سے ایک مالی فریضہ فطرہ بھی ہے۔

فطرہ ایک عبادی اور مالی فریضہ ہے[۱] اس کے احکام و شرائط درجِ ذیل ہیں۔

۱--- فطرہ ہر بالغ، عاقل صاحبِ استطاعت پر واجب ہے..... اور انسان پر واجب ہے کہ اپنا اور اپنے زیرِ کفالت افراد جیسے بیوی، بچے، ماں باپ اور ملازم وغیرہ کی طرف سے فطرہ نکالے۔

۲--- فطرہ نکالنے کا وقت شبِ عید الفطر ہے اور ادائیگی کا وقت عید کے دن ظہر تک رہتا ہے[۲]

۱۔ مذاہبِ اربعہ کے نزدیک ہر مسلمان پر جو قدرت رکھتا ہو چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، فطرہ واجب ہے۔ ولی پر واجب ہے کہ بچے اور مجنون کے مال سے فطرہ نکال کر فقراء کو دے۔

۲۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ فطرہ عید کے دن طلوعِ فجر سے آخر عمر تک واجب رہتا ہے۔ اور حنبلی کہتے ہیں اس کی تاخیر عید کے بعد تک جائز ہے اور عید کے دو دن پہلے دے دیں تو بھی درست ہے۔ شافعی کہتے ہیں کہ وجوبِ فطرہ کا وقت رمضان کا آخری جز اور شوال کا اوّل جز ہے یعنی غروب کے وقت یا رمضان کے آخری دن غروب سے کچھ پہلے۔

۳۔ ہر شخص پر شہر میں کھائی جانے والی غذا مثلاً گیہوں' چاول' کھجور وغیرہ کے تقریباً تین کلو گرام کے برابر فطرہ نکالنا واجب ہے۔ اور اس کی قیمت بھی مستحق کو دی جا سکتی ہے ا۔

جہاں فطرہ نکالا جائے وہیں پر اس کا صرف کرنا واجب ہے۔ البتہ اگر ایک شہر والوں کی ضرورت سے فطرہ بچ جائے' یا وہاں کوئی مستحق نہ ہو' یا اس فریضہ کے اقتصادی و اجتماعی مقاصد کے پیشِ نظر فقر کو دور کرنے کے لئے اس کا کسی دوسری جگہ دینا ضروری ہو تو فطرہ دوسرے شہر میں بھی بھیجا جا سکتا ہے۔

فطرے کا مصرف

فطرے کا خاطر خواہ فائدہ حاصل کرنے کی خاطر اسلام نے فطرہ کی تقسیم کا طریقہ کار اور فطرے کے مستحقین کو معین کر دیا ہے۔ اور جن مدوں میں فطرہ صرف کرنا چاہئے ان کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے:۔

۱۔ فطرے کے مستحق فقراء اور مساکین ہیں۔

۲۔ جو لوگ زکات اکٹھا کرتے ہیں اور اس کی تقسیم کا کام کرتے ہیں ان کو بھی فطرہ دیا جا سکتا ہے۔

۳۔ جو لوگ مقروض ہوں اور قرض ادا نہ کر سکتے ہوں فطرہ سے ان کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ جو مسافر راستہ میں کنگال ہو گیا ہو اور اس کے پاس وطن تک پہنچنے کا کرایہ بھی نہ ہو۔ اس کو اتنا فطرہ دیا جا سکتا ہے کہ جس سے وہ با آسانی اپنے اہل و عیال تک پہنچ جائے۔

۵۔ ہر کارِ خیر..... مثلاً مسجدوں کی تعمیر' مدرسوں کی تعمیر' پلوں کے بنانے کے لئے' جہادِ فی

ا۔ ابو حنیفہ کے نزدیک فطرہ کی مقدار ڈیڑھ کلو ہے۔

سبیل اللہ کے لئے ' اسلامی ثقافت کی نشرو اشاعت کے لئے ' اسلام کی دعوت دینے کے لئے ' امر بالمعروف و نہی از منکر کرنے کے لئے ..... فطرے کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔

۶۔ جن غلاموں نے اپنے آقاؤں سے کچھ دیکر آزادی کا وعدہ لے لیا ہو اور ان کے پاس رقم نہ ہو تو اِن کو فطرے کی رقم دی جا سکتی ہے۔ تاکہ وہ اپنے آقاؤں کو رقم دے کر آزاد ہو جائیں کیوں کہ اسلام حریّت اور آزادی کا دین ہے۔

مشق

سوال نمبر۱۔۔ درجِ ذیل خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

(الف): فطرہ ہر........ پر واجب ہے۔

(ب) فطرہ نکالنے کا وقت...... ہے اور...... تک ادائیگی کا وقت باقی رہتا ہے۔

(ج): فطرہ کی مقدار تقریباً ..... ہے۔ فطرہ ان چیزوں سے نکالا جائے گا جو عموماً اس شہر کے لوگوں کی غذا ہوں۔ جیسے ......

سوال نمبر۲۔۔ فطرہ کا مستحق کون ہے؟

زکات

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

اقیمو الصلوۃ واتوا الزکاۃ

"نماز قائم کرو اور زکات دو۔"

(سورۂ بقرہ ۲ آیت ۴۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم وصل علیھم ان صلاتک سکن لھم واللہ سمیع علیم

(اے رسولؐ) ان کے اموال میں سے زکات لو جو ان کو پاک کر دے اور انکا تزکیہ کر دے اور ان کے لئے دعا کیجئے۔ آپ کی دعا سے ان کو سکون ہو گا اور خدا تو سب کچھ جانتا اور سنتا ہے۔ (سورۂ توبہ ۹ آیت ۱۰۳)

عربی زبان میں زکات کے معنی نمو اور طہارت کے ہیں، اسی لئے جو مال فقراء کو یا فی سبیل اللہ دیا جاتا ہے اس کو زکات کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ عمل مال کو بڑھاتا اور پاک کرتا ہے۔ زکات کی تعریف اس طرح بھی کی جا سکتی ہے کہ:۔

"مال کی ایک معیّن مقدار جس کا نکالنا خداوندِ عالم نے مالداروں پر واجب کیا ہے تاکہ یہ فقیروں کو دی جا سکے یا نیک کاموں میں خرچ کی جا سکے۔"

اسلام نے معاشرے کی اصلاح، فقر کے خاتمے اور لوگوں میں عدالت قائم کرنے کی طرف بہت توجہ دی ہے۔ کیوں کہ فقیری ایک خطرناک اجتماعی بیماری اور معاشرے میں فساد کا ذریعہ ہے۔ کسی معاشرے کی پسماندگی میں فقر ایک بہت بڑا عامل ہے۔

فقر انسان کو جرم، قتل، چوری اور فساد پر آمادہ کرتا ہے جبکہ اسلام ایک ایسے خوش بخت معاشرے کا خواہشمند ہے جس میں سب کو آسودگی کا احساس ہو، اسی لئے اس نے مالداروں پر زکات کی مانند مالیات فرض کئے ہیں جس کے متعلق ہم اس سبق میں گفتگو کریں گے۔

زکات ایک عبادی فریضہ ہونے کے ساتھ ساتھ تقربِ الٰہی کا ذریعہ بھی ہے اور انسان کے نفس کو بخل، حبِّ مال، مال کے ذخیرہ کرنے اور فقراء کو محروم رکھنے سے روکنے والی چیز ہے۔

منکرینِ زکات کو اسلام نے کافر کہا ہے۔ جو شخص زکات نہ دے خدا اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔ زکات دینے سے مال بڑھتا ہے اور تلف و برباد ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔

زکات فقیروں کا وہ حق ہے جس کو خداوندِ عالم نے مالداروں کے مال میں واجب قرار دیا ہے۔ یہ معیّن شرائط کے ساتھ واجب ہوتی ہے۔ زکات دینے میں قربۃً الی اللہ کی نیت ضروری ہے۔

زکات واجب ہونے کی شرائط

درجِ ذیل شرائط کے بعد انسان پر زکات واجب ہوتی ہے۔

۱۔ بلوغ..... لہٰذا بچے کے مال پر زکات واجب نہیں ہے۔

۲۔ عقل..... اسی لئے دیوانے کے مال پر زکات واجب نہیں ہے۔ [۱]

۳۔ حُرّیت..... یعنی زکات دینے والا آزاد ہو، کسی کا غلام نہ ہو۔ اگر کوئی غلام ہے تو اس پر

۱۔ مالکی، حنبلی، شافعی کے یہاں نہ بلوغت شرط ہے نہ عقل، لہٰذا ان کے ہاں دیوانے اور بچے کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے)

زکات واجب نہیں۔

۴۔ مالک ..... اپنے مال پر تصرّف کا اختیار رکھتا ہو۔ لہٰذا مال اگر چوری کا ہے یا مال ضائع ہو گیا یا رہن پر رکھا ہے تو زکات واجب نہیں ہوگی۔

۵۔ مال نصاب کے برابر ہو .....اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

جن چیزوں پر زکات واجب ہوتی ہے

قرآن اور سنّت نے اُن چیزوں کی تفصیل بیان کر دی ہے جن پر زکات واجب ہوتی ہے اور وہ درج ذیل ہیں۔

۱-- (چار اجناس) گیہوں، جو، کھجور، منقیٰ۔ ا۔

۲-- (تین جانور) اونٹ، گائے بھینس، بھیڑ بکری۔

۳-- سونا اور چاندی (جو سکّہ دار ہوں)۔

(گذشتہ صفحے کا بقیہ)

مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، البتہ ولی کا فریضہ ہے کہ وہ پاگل و بچّے کے مال سے زکات نکالے، اور ابو حنیفہ کے نزدیک پاگل و بچّے پر صرف زراعت اور پھلوں کی زکات واجب ہے دوسرے اموال کی زکات واجب نہیں ہے جیسے نقدی اور جانور (الفقہ علی المذاہب الخمسہ)

ا۔ امامیہ کے نزدیک چار اجناس کے علاوہ جو غلّے زمین سے اگتے ہیں ان سب پر زکات مستحب ہے جیسے چاول، مسور، ماش، مکّی وغیرہ ..... اور مالکی و شافعی کے نزدیک جو غلّے اخراجات کے لئے ذخیرہ کئے جاتے ہیں ان پر زکات واجب ہے، جیسے گیہوں، جو، چاول، کھجور، منقیٰ وغیرہ اور حنفی کہتے ہیں کہ زمین سے جو چیز پیدا ہو.....خواہ غلّے ہوں یا پھل سب ہی پر زکات واجب ہے سوائے لکڑی، گھاس، سرکنڈے کے اور حنبلی کہتے ہیں کہ جن چیزوں کو تولا جاتا ہو اور ذخیرہ کیا جاتا ہو جیسے پھل اور غلّے تو ان پر زکات

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے)

غلّات کی زکات

☆ -- غلّات میں زکات اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کا وزن ۸۴۷ کلو گرام یا اس سے زیادہ ہو۔ اگر غلّہ اس سے کم پیدا ہو تو زکات واجب نہیں ہوگی۔

☆ -- غلّے سے جو زکات دی جائے گی وہ اگر کھیتوں کی آب پاشی بارش وغیرہ سے ہوئی ہو یعنی انسانی کوشش و مشقت شامل نہ ہو تو دسواں حصّہ ہوگی۔ا۔

☆ -- زکات نکالنے میں غلّے کے اُس وزن کا حساب کیا جائے گا جو سوکھنے کے بعد ہوتا ہے۔

☆ -- زکات نکالنے کا وقت دانوں کو بھوسے سے الگ کرنے کے بعد، کھجور کے پکنے کے بعد ہوتا ہے کیوں کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

"وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ"

"اور ان چیزوں کے کاٹنے کے دن خدا کا حق (زکات) دیدو۔"

(سورۂ انعام ۶ آیت ۱۴۱)

(گذشتہ صفحے کا بقیہ)

واجب ہے۔ اور تجارت کے ذریعہ حاصل ہونے والے نفع پر چاروں مذاہب کے نزدیک زکات واجب ہے۔ لیکن شیعوں کے نزدیک مستحب ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الخمسہ صفحہ ۱۷۴)

ا۔ اگر زراعت کی آب پاشی، بارش اور ڈول دونوں سے ہوئی ہو تو جس طریقہ سے زیادہ آبپاشی کی گئی ہو اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔ یعنی اگر زیادہ بارش نے سیراب کیا ہو تو دسواں ورنہ بیسواں حصّہ دینا ہو گا۔ لیکن اگر دونوں طریقے سے برابر آب پاشی ہوئی ہو تو آدھے غلّے سے دسواں اور آدھے سے بیسواں نکالنا ہو گا۔

جانوروں کی زکات

جانوروں کی زکات میں درجِ ذیل شرائط ہیں۔

۱۔۔ سائمہ ہوں ۱۔ یعنی پورے سال چرتے ہوں' مالک کے اوپر ان کی غذا کا بوجھ نہ ہو۔ شاذ ونادر اگر مالک کھلا دے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر مالک غذا دیتا ہے تو ان پر زکات واجب نہیں ہوگی۔

۲۔۔ باربرداری کے کام نہ آتے ہوں ۲۔ اس لئے بوجھ ڈھونے والے' کھیتوں کو سیراب کرنے والے' کھیت جوتنے والے اونٹوں پر زکات واجب نہیں ہے۔

۳۔۔ پورا قمری سال گزر چکا ہو اور شرائط کے ساتھ گزرا ہو۔ اسی لئے اگر تمام شرائط یا بعض شرائط مفقود ہوں تو زکات نہ ہوگی۔

نوٹ: بھینس کا شمار گائے کے ساتھ ہوگا اور بکری اور بھیڑ ایک جنس شمار ہوں گی۔

۴۔۔ نصاب بھر ہوں۔ البتہ ہر ایک کا نصاب الگ ہے جس کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:۔

۱۔ یہ شرط مالکیوں کے علاوہ سب ہی کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ مالکی حضرات کے نزدیک سائمہ اور غیر سائمہ دونوں میں زکات واجب ہے۔

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ صفحہ ۱۷۲)

۲۔ مالکی حضرات باربرداری کرنے والے اور نہ کرنے والے اونٹوں پر زکات واجب جانتے ہیں

(حوالہ سابق)

اونٹ کی زکات

زکات کی مقدار	اونٹوں کی تعداد
ایک بھیڑ یا بکری	۱- پانچ (۵)
دو بھیڑ یا بکری	۲- دس (۱۰)
تین بھیڑ یا بکری	۳- پندرہ (۱۵)
چار بھیڑ یا بکری	۴- بیس (۲۰)
پانچ بھیڑ یا بکری	۵- پچیس (۲۵)
ایک اونٹنی جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو' اگر ایسی اونٹنی نہ ہو تو خرید کر زکات میں دے یا اس کے بدلے میں ایسا اونٹ دے جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔	۶- چھبیس (۲۶)
ایک ایسی اونٹنی جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔	۷- چھتیس (۳۶)
ایک ایسی اونٹنی جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو۔	۸- چھیالیس (۴۶)
ایک ایسی اونٹنی جو پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہو۔	۹- اکسٹھ (۶۱)
دو ایسی اونٹنیاں جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہوں۔	۱۰- چھہتر (۷۶)
دو ایسی اونٹنیاں جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہوں۔	۱۱- اکیانوے (۹۱)
ایسی صورت میں واجب ہے کہ پچاس پچاس کر کے شمار کریں یا چالیس چالیس کر کے لیکن اس کو اختیار کریں جس کی تعداد کم بچتی ہو مثلاً اگر ۱۲۱ ہے تو چالیس چالیس شمار کریں کیونکہ اس طرح ایک ہی اونٹ فاضل بچتا ہے۔ اگر پچاس پچاس کا حساب کریں گے تو پھر	۱۲- ایک سو اکیس (۱۲۱) یا اس سے زیادہ

	اکیس اونٹ بچ جائیں گے۔ اگر چالیس چالیس کا حساب کریں تو ہر چالیس پر ایک ایسی اونٹنی دیں جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو' اور اگر پچاس پچاس شمار کریں تو ہر پچاس پر ایک ایسی اونٹنی دیں جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو' اور ہر صورت میں دو نصاب کے بیچ میں جو تعداد ہو گی اس پر زکات نہ ہو گی مثلاً پہلا نصاب پانچ کا ہے اور دوسرا دس کا۔ اب اگر کسی کے پاس نو اونٹ ہیں تو پانچ پر زکات ہو گی چار پر نہیں ہو گی کیوں کہ یہ دوسرا نصاب سے کم ہے۔

گائے کی زکات

گائے کی تعداد	زکات کی مقدار
۱۔ تیس (۳۰)	اس میں ایک گائے کے بچے کی جو دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو نر ہو یا مادہ زکات دے۔
۲۔ چالیس (۴۰)	اس میں ایک گائے کے بچے کی جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو نر ہو یا مادہ زکات دے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو اگر تیس تیس شمار کرنے پر تعداد کم بچتی ہو مثلاً ساٹھ گائیں ہوں تو تیس تیس کر کے شمار کرنا چاہئے اور اگر چالیس شمار کرنے پر تعداد کم بچتی ہو یا کچھ نہ بچتی ہو مثلاً اسّی گائیں ہوں تو چالیس سے حساب کرنا چاہئے اور دو نصابوں کے درمیان جو ہو اس پر زکات نہیں ہے۔ مثلاً سو گائیں ہیں اور تیس سے شمار کیا تو دس بچ گئیں تو اس دس پر زکات نہیں ہے۔

بھیڑبکری کی زکات

بھیڑبکری کی تعداد	زکات کی مقدار
۱۔ چالیس (۴۰)	اس میں ایک بھیڑ کی زکات واجب ہے۔
۲۔ ایک سو اکیس (۱۲۱)	اس میں دو بھیڑ کی زکات واجب ہے
۳۔ دو سو ایک (۲۰۱)	اس میں تین بھیڑ کی زکات واجب ہے۔
۴۔ تین سو ایک (۳۰۱)	اس میں چار بھیڑ کی زکات واجب ہے۔
۵۔ چار سو یا اس سے زیادہ	اس میں ہر سو پر ایک اور دو نصابوں کے درمیان جو ہو معاف ہے۔ مثلاً چالیس سے زیادہ اور ایک سو اکیس سے کم ہو تو چالیس پر زکات ہے۔ اس کے بعد چاہے جتنی ہو جب تک ۱۲۱ کی تعداد پوری نہ ہو زکات واجب نہ ہوگی۔ اگر زکات میں بکری دینا ہو تو ایسی دے جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ اور بھیڑ دینا چاہے تو اس کا دوسرے سال میں داخل ہونا ضروری ہے۔ نوٹ:۔ بھیڑ کی زکات میں اختیار ہے چاہے نر دے یا مادہ۔

نقدین (سونے چاندی) کی زکات

۱۔ (ا) سونے کا نصاب بیس دینار (سونے کا ہونا) ہے..... ایک دینار ۴۵ء۳ گرام سونے کا ہوتا ہے.....

۲--- چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے۔ ایک درہم ۲،۵ گرام چاندی کا ہوتا ہے۔
سونے اور چاندی کی زکات میں درجِ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) نصاب بھر ہوں۔

(۲) پورا سال گزر چکا ہو۔

(۳) سکّہ دار ہوں۔

ان میں زکات چالیسواں حصّہ واجب ہوتی ہے (یعنی سو میں ڈھائی)

زکات کا مصرف

اسلام نے زکات کا مصرف معیّن کر دیا ہے۔ اس کا بھی مصرف وہی ہے جو فطرے کا ہوتا ہے۔ مثلاً

(۱)-- فقراء

(۲)-- مساکین

(۳)-- مقروض لوگ: یعنی وہ مقروض جو اپنے قرض کی ادائیگی پر قادر نہ ہوں۔

(۴)-- مولفۃ القلوب: اس سے مراد وہ کمزور ایمان والے لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں خطرہ ہو کہ یہ دین بدل دیں گے تو ایسے لوگوں کی زکات سے مدد کی جائے گی تاکہ وہ اسلام پر باقی رہیں۔ اسی طرح وہ کافر جن کے مسلمان ہونے کی امید ہو یا یہ امید ہو کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کی مدد کریں گے تو ان کو بھی زکات دی جا سکتی ہے۔

(۵)-- مسافر: جس کے پاس سفر میں پیسہ ختم ہو گیا ہو اور وہ اپنے وطن نہ پہنچ سکتا ہو۔ تو اس کو اتنی زکات دی جا سکتی ہے جس سے وہ اپنے وطن پہنچ جائے۔

(۶)۔۔ وہ غلام جو اپنے آقا سے طے کرے کہ اتنی رقم کے عوض مجھے آزاد کر دے گا تو اس کو آزاد ہونے کے لئے زکات دی جا سکتی ہے۔

(۷)۔۔ جو لوگ زکات وصول کرتے ہیں، تقسیم کرتے ہیں۔ زکات سے ان کی اجرت دی جا سکتی ہے۔

(۸)۔۔ فی سبیل اللہ: اس سے مراد ہر وہ عملِ خیر ہے جس سے خدا راضی ہو جیسے مدرسوں، اسپتالوں، راستوں کا بنانا، علوم کی نشر و اشاعت ا۔

سوال نمبر۱۔۔ لفظ "زکات" کا کیا مطلب ہے؟ اور زکات کی کیا اہمیت ہے؟

سوال نمبر۲۔۔ زکات واجب ہونے کی شرائط بیان کیجئے؟

سوال نمبر۳۔۔ درجِ ذیل عبارات کو مکمل کیجئے۔

(الف) زکات ..... اور ..... اور ..... پر واجب ہوتی ہے۔

(ب) تین جانوروں سے مراد ..... اور ..... اور .....

(ج) چار غلوں سے مراد ..... اور ..... سے مراد ..... اور ..... سے مراد .....

(د) غلّوں میں زکات اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی مقدار ..... کلو گرام ہو جائے۔

ا۔ مذاہبِ اربعہ کے یہاں اس سے مراد صرف مجاہدین کی مدد کرنا ہے۔
(الفقہ علی المذاہب اربعہ۔ صفحہ نمبر۱۸۰)

خمس ایک عبادی اور مالی فریضہ ہے' قرآن نے اس کی مقدار اور اس کے مصارف بیان کئے ہیں اور حدیث نے تفصیلات اور اس کے اطلاق کا بھی ذکر کیا ہے' چنانچہ قرآن کا اعلان ہے:-

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ...

"یہ جان لو کہ تم جو کچھ بھی کماؤ اس کا پانچواں حصّہ خدا اور رسولؐ اور رسولؐ کے قرابتداروں اور یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کا ہے۔"

(سورۂ انفال ۸ آیت ۴۱)

اسلامی معاشرے کی اقتصادیات کو سدھارنے میں خمس بہت بڑا کردار ادا کر سکتا ہے۔ خمس کے واجب ہونے کی دلیل میں متواتر احادیث موجود ہیں جو اس کی شرائط اور احکام کو بھی بیان کرتی ہیں۔ مثلاً مسندِ احمد ابنِ حنبل میں ہے:-

> مزینہ (قبیلہ) کے ایک شخص نے رسولِ خداؐ سے چند مسائل پوچھے ان میں یہ بھی تھا "کھنڈرات' ویرانوں اور جنگلوں میں بنائے گئے نشانات کے نیچے ہمیں جو خزانہ ملتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟" رسولِ خداؐ نے

فرمایا "اس میں اور دفینہ میں خمس (واجب) ہے"۔۱۔

رسولِ خداؐ نے جہینہ بن زید کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

"تم لوگوں کے لئے زمین کے اندر موجود چیزیں اور نرم زمین اور وادی و زمین کے اوپر کی چیزیں ہیں کہ تم ان چیزوں کی گھاس (جانوروں کو) چراؤ ٗپانی پیو ٗلیکن شرط یہ ہے کہ اس کا خمس ادا کرو"۔۲۔

جن چیزوں پر خمس واجب ہوتا ہے

۱- مالِ غنیمت: کفار سے جنگ میں جو مال مسلمانوں کے ہاتھ آئے اسے مالِ غنیمت کہتے ہیں۔

۲- معادن: زمین کے اندر سے جو چیزیں نکالی جاتی ہیں جیسے سونا ٗ چاندی ٗ پٹرول ٗگندھک ٗ لوہا وغیرہ

۳- خزانہ: وہ مال جو زمین میں دفن ہو (دفینہ)

۴- وہ مال جو غوطہ لگا کر ہاتھ آئے: سمندر میں غوطہ لگا کر جو چیزیں نکالی جائیں جیسے موتی مونگے وغیرہ ۳۔

۵- زمین: یعنی وہ زمین جس کو کافر ذمی مسلمان سے خریدے۔

۶- کاروبار میں نفع: انسان کے سال بھر کی ضرورت سے اور خرچ سے جو مال بچ جائے

۱۔ معالم المدرستین مولف مرتضیٰ عسکری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ منقول از مسندِ احمد جلد ۲ صفحہ ۱۸۶۔

۲۔ حوالۂ سابق جلد ۲ صفحہ ۱۱۳ منقول از الوثائق السیاسیۃ از محمد حمید اللہ صفحہ ۱۴۲ رقم ۱۵۷ بحوالہ جمع الجوامع سیوطی و مکاتیب الرسول از علی بن حسین بن علی الاحمدی صفحہ ۳۷۵۔

۳۔ مذاہب اربعہ کے نزدیک اس میں خمس واجب نہیں ہے چاہے جتنا مال نکالا جائے۔

چاہے اس کی آمدنی تجارت سے ہو یا صنعت سے ہو یا زراعت سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے سالانہ جائز اخراجات نکالنے کے بعد بچت پر خمس واجب ہو گا' اخراجات سے مراد اپنے اور اپنے اہلِ وعیال کے اخراجات ہیں۔

خمس کا مصرف

خمس کے مال کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے[۱]۔

۱۔ خدا' رسولؐ اور قرابتدارانِ رسولؐ کا حصّہ۔

یہ حصّہ امامِ وقت کے لئے مخصوص ہے۔ اور مملکتِ اسلامی کے اہم مالیات میں سے ہے' حکومتِ اسلامی اس مال کو امامِ وقت یا نائبِ امام کی اجازت سے عوام الناس کی فلاح وبہبود کے کاموں میں استعمال کر سکتی ہے۔ مثلاً مساجد' مدارس' جامعات کی تعمیر وانتظام' تبلیغِ اسلام' اسلامی افواج کو لیس کرنے کے لئے' راستے بنانے' پل تعمیر کرنے اور فقراء و مساکین کی مدد وغیرہ کے سلسلے میں۔

۱۔ شافعی کہتے ہیں مالِ غنیمت کو پانچ حصّوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک سہمِ رسولؐ جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے گا۔ ایک قرابتدارانِ رسولؐ (یعنی وہ لوگ جن کا نسب باپ کی طرف سے جناب ہاشم سے ملتا ہو) کو دیا جائے گا۔ اس میں امیر و غریب نہیں دیکھا جائے گا۔ تمام سادات کو دیا جائے گا اور باقی تین حصّوں کو یتیموں' مسکینوں' مسافروں پر تقسیم کیا جائے گا چاہے وہ سیّد ہوں یا غیر سیّد۔ اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ سہم رسول آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ساقط ہو گیا۔ اب رہا قرابتدارانِ رسولؐ کا حصّہ تو وہ تمام فقیروں کو ان کے فقر کی بناء پر دیا جائے گا نہ کہ قرابتِ رسولؐ کی بنیاد پر۔ اس میں سیّد وغیر سیّد فقیر سب برابر ہیں۔ مالکی حضرات کہتے ہیں کہ خمس حاکم کو دیا جائے گا وہ اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کرے گا۔

۲--- ہاشمی فقراء و مساکین اور مسافروں کا حصّہ۔

کیونکہ انہیں زکات نہیں دی جاتی اس لئے انہیں خمس دیا جاتا ہے۔ (ہاشمی اسے کہتے ہیں جس کا سلسلۂ نسب رسولِ اکرمؐ کے جد جناب ہاشم سے ملتا ہو۔)

خمس کے احکام

۱--- ہر عاقل و بالغ پر خمس واجب ہے۔

۲--- راس المال جس کو انسان اپنی تجارت، زراعت یا اور مختلف ان کاموں میں لگاتا ہے جس سے اپنی معیشت میں اضافہ مقصود ہو، اس پر خمس واجب نہیں۔ البتہ اس سے جو منافع ہو اور منافع سے سال بھر کا خرچ نکالنے کے بعد جو بچے اس پر خمس واجب ہوتا ہے۔

۳--- اگر کوئی شخص ایک مرتبہ ایک معیّن مال کا خمس نکال دے تو پھر اس مال پر کبھی خمس نہیں ہوگا۔

۴--- خمس عبادت ہے اس لئے اس میں قصدِ قربت کی نیت ضروری ہے۔

سوال نمبر۱- درجِ ذیل عبارتوں کو مکمل کیجئے۔

(الف) خمس کے مال کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جائے گا ایک...... اور دوسرے......

(ب) خمس کے واجب ہونے کی شرط...... اور یہ......

سوال نمبر۲- وہ کون سی چیزیں ہیں جن پر خمس واجب ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا

"اور لوگوں پر واجب ہے کہ محض خدا کے لئے خانہ کعبہ کا حج کریں جن میں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت (قدرت) ہو۔"

(سورۂ آلِ عمران ۳ آیت ۹۷)

ہجرت کے تیسرے سال حج واجب ہوا۔ حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور مسلمانوں کی وہ مقدس عبادت ہے جس کے ذریعہ خدا سے قربت حاصل ہوتی ہے۔ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؑ حج کے واجب ہونے کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کی اہمیت کی تاکید کرتی ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا و من کفر فان اللہ غنی عن العالمین

"اور لوگوں پر واجب ہے کہ محض خدا کے لئے خانہ کعبہ کا حج کریں جن میں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت (قدرت) ہو۔ اور جس نے قدرت ہوتے ہوئے حج سے انکار کیا تو (یاد رکھئے کہ خدا سارے جہاں سے بے نیاز ہے۔"

(سورۂ آلِ عمران ۳ آیت ۹۷)

حدیث میں اس مقدس فریضے کے سلسلہ میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً

"حج کی کوئی جزا نہیں ہے سوائے جنت کے اور کوئی ایک عمرہ کے بعد جب دوسرا عمرہ کرتا ہے تو یہ درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے" ا۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:۔

"جب تک کعبہ باقی ہے دین بھی باقی ہے" ۲۔

حج کے مقاصد و منافع

حج ایک مقدس عبادی فریضہ کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے لئے بہت سے فوائد کا بھی حامل ہے۔ یہ فریضہ مسلمانوں میں احساسِ اخوت و برادری پیدا کرتا ہے۔ آپ نے خود دیکھا ہو گا کہ حج و عمرہ ادا کرتے وقت سب ایک ہی جیسا لباس یعنی احرام پہنے ہوتے ہیں۔ احرام ایک ایسا لباس ہے جس سے انکساری کا اظہار ہوتا ہے۔ پھر سب با آواز بلند کہتے ہیں۔

لبّیک اللھم لبّیک لبّیک لاشریک لک لبّیک اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ

اس طرح سب محسوس کرتے ہیں کہ وہ باہم مساوی اور صرف خدا کے بندے ہیں۔ حج میں تمام مسلمان جمع ہو کر اپنے دینی و معاشرتی مسائل کے بارے میں صلاح و مشورہ کرتے ہیں، ایک دوسرے کی مشکلات جاننے کی کوشش کرتے ہیں، اجتماعی و سیاسی معاملات پر گفتگو کرتے ہیں، ایک دوسرے کو نصیحت اور اخلاقِ حسنہ کی تاکید کرتے ہیں۔

ا۔ سنن نسائی جلد ۵ کتاب مناسک الحج صفحہ ۱۱۲۔

۲۔ وسائل الشیعہ جلد ۸ کتاب الحج صفحہ ۱۴۔ طبع پنجم۔

مناسکِ حج بجالانے والا حاجی حسنِ خلق، صبر، تواضع، حسنِ معاشرت کا عادی ہو جاتا ہے ۔ جھوٹ، غیبت، لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنے لگتا ہے۔ حج مسلمانوں کی تربیت گاہ اور مرکزِ تہذیب ہے ۔ ان تمام باتوں کے علاوہ حج گناہوں کا کفارہ اور بخشش کا ذریعہ ہے۔

حج کے اقتصادی و معاشی فوائد بھی ہیں۔ مثلاً دسویں ذی الحجّہ کو جانور کی جو قربانی دی جاتی ہے ان سے فقراء و محتاجوں کے کھانے کا انتظام ہوتا ہے اور اتنا گوشت ہوتا ہے کہ اگر مسلمان ملکوں میں اس کو بھیجا جائے تو فقروفاقہ کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

حج واجب ہونے کی شرائط

اگر درجِ ذیل شرائط موجود ہوں تو زندگی میں ایک مرتبہ حج واجب ہوتا ہے۔ شرائط درجِ ذیل ہیں۔

۱۔ مالی و جسمانی قدرت اور راستے کا پرامن ہونا: پس حج صرف ان مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے جن کے پاس اتنا مال ہو کہ اس مقدّس فریضہ کی ادائیگی کے وقت وہ اس کے اور اس کے اہل و عیال کے اخراجات کے لئے کافی ہو اور وہ شخص سفر کی مشقتوں اور مناسکِ حج بجالانے پر بھی قادر ہو۔

۲۔ بلوغ: اسی لئے بچّوں پر حج واجب نہیں ہے چاہے ان میں حج کی دیگر تمام شرائط موجود ہوں۔

۳۔ عقل: لہٰذا دیوانے پر حج واجب نہیں ہے۔

۴۔ حریّت: یعنی حج کرنے والا آزاد ہو کسی کا غلام نہ ہو۔

حج کی اقسام

حج کی تین قسمیں ہیں ۔

۱۔ حجِ افراد ۲۔ حجِ قران ۳۔ حجِ تمتع

حجِ افراد:

یہ حج ان لوگوں پر واجب ہوتا ہے جو استطاعت رکھتے ہوں اور مکہ میں رہتے ہوں یا پھر مکہ سے تقریباً ۸۶ کیلو میٹر دور رہوں۔ اس کو حجِ افراد اس لئے کہتے ہیں کہ حاجی اس میں تنہا آتا ہے اس کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں ہوتا۔

حجِ قران:

یہ بھی ان صاحبِ استطاعت لوگوں پر واجب ہے۔ جو مکہ یا مکہ سے ۸۶ کلو میٹر سے کم فاصلہ پر رہتے ہوں! اس کو حجِ قران اس لئے کہا جاتا ہے کہ حاجی اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی لاتا ہے۔

ان دونوں حجوں (افراد و قران) میں پہلے حج کیا جاتا ہے اس کے بعد عمرہ کیا جاتا ہے۔

حجِ تمتع ۱۔:

یہ حج ان لوگوں پر واجب ۲۔ ہوتا ہے جو مکہ مکرمہ سے ۸۶ کلو میٹر سے زیادہ فاصلہ پر رہتے ہوں اس حج میں عمرہ پہلے کیا جاتا ہے اور حج بعد میں۔

۱۔ اس کو حجِ تمتع اس لئے کہا جاتا ہے کہ حاجی عمرہ اور حج کے درمیان تمام لذائذ سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ عمرہ ختم کرنے کے بعد جتنی چیزیں احرام باندھنے کے بعد حرام ہو جاتی ہیں وہ سب حلال ہو جاتی ہیں۔ صرف حرم کے درختوں اور گھاس کا کاٹنا حرام رہتا ہے۔

۲۔ مذاہبِ اربعہ والے کہتے ہیں کہ آدمی خواہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کسی اور جگہ کا وہ تینوں حجوں میں سے جو حج چاہے کر سکتا ہے۔ اور اس میں کوئی کراہت بھی نہیں، صرف ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ مکہ کے رہنے والے کے لئے حجِ تمتع یا حجِ قران کرنا مکروہ ہے۔

حج کے اعمال

اس حج میں دو عبادتیں واجب ہیں۔

(الف)—— عمرہ (عمرہ تمتع) (ب)—— حج (حج تمتع)

(الف)—— عمرہ تمتع

زمانہ حج شروع ہونے سے پہلے پہلے عمرہ تمتع کے اعمال بجا لانا چاہئے۔ عمرہ تمتع کے پانچ اعمال ہیں اور وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ احرام: احرام ان چار مقامات میں سے کسی بھی مقام سے باندھا جا سکتا ہے (۱) مسجدِ شجرہ (۲) جحفہ (۳) وادی عقیق (۴) یلملم۔

عمرہ تمتع ان تین مہینوں میں سے کسی بھی مہینہ میں کیا جا سکتا ہے شوال 'ذی قعدہ' ذی الحجہ' یعنی پورے شوال اور پورے ذی قعدہ میں جب چاہیں عمرہ تمتع بجا لا سکتے ہیں۔ البتہ ذی الحجہ میں وقوفِ عرفات سے پہلے پہلے عمرہ تمتع بجا لانا چاہئے 'یعنی پہلی سے آٹھ ذی الحجہ تک اور نویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے پہلے عمرہ کر سکتا ہے۔ کیوں کہ زوال سے وقوفِ عرفات شروع ہو جاتا ہے۔

عمرہ کے مناسک بجا لانے کے بعد زمانہ حج کا انتظار کرنا چاہئے یعنی نویں ذی الحجہ کا تاکہ مناسکِ حج ادا کر سکے۔

احرام میں درجِ ذیل چیزیں ضروری ہیں۔

(الف)—— احرام کی نیت کرنا۔

(ب)—— احرام کے دونوں لباس پہننا۔

(ج)—— تلبیہ کہنا یعنی " لبیک اللهم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک لبیک"

۲- طواف: یعنی حجرِ اسود سے خانہ کعبہ کے سات (۷) چکر لگانا۔

۳- نماز: طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نمازِ طواف ادا کرنا۔

۴- سعی: کوہِ صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگانا۔

۵- تقصیر: سعی کے بعد سر یا ڈاڑھی یا مونچھوں کے تھوڑے سے بال کٹوانا یا ناخن کٹوانا۔

نوٹ: عمرہ اور حج کے تمام واجبات کے لئے نیت کرنا (یعنی قصد و ارادہ کرنا) واجب ہے۔

(ب)۔۔۔ حجِ تمتع

حجِ تمتع میں درجِ ذیل تیرہ چیزیں واجب ہیں۔

۱-- احرام: حجِ تمتع کا احرام صرف مکہ مکرمہ سے باندھا جاتا ہے۔ ویسے افضل یہ ہے کہ مسجد الحرام سے باندھے احرام کا لباس پہن کر تلبیہ کہے اور حجِ تمتع کی نیت کرے۔

۲-- وقوفِ عرفات: یعنی نویں ذی الحجہ کو زوال سے لیکر غروبِ آفتاب تک عرفات میں رہنا۔

۳-- وقوفِ مزدلفہ: احتیاط یہ ہے کہ حاجی شبِ عیدِ قربان مزدلفہ میں رہے اور دسویں ذی الحجہ کو طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک مزدلفہ (مشعر الحرام) میں رہنا واجب ہے اور سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ مزدلفہ میں وقوف ضروری ہے چاہے تھوڑی دیر کے لئے ہو، پھر وہاں سے منیٰ جائے۔

۴-- منیٰ پہنچ کر دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں مارے۔

۵-- اس کے بعد منیٰ میں کسی جانور کی قربانی کرے چاہے بھیڑ بکری ہو یا گائے ہو یا اونٹ ہو۔ مگر قربانی کا جانور ہر عیب سے پاک ہو۔

۶-- قربانی کے بعد مرد کے لئے (اگر پہلا حج ہو) سر منڈانا واجب ہے لیکن عورت پر صرف تقصیر واجب ہے۔ البتہ سر منڈانا ہو یا تقصیر کرنا ہو، یہ منیٰ ہی کے اندر ہونا چاہئے، اس کے بعد مکہ واپس آجائے۔

۷-- مکہ پہنچ کر حجِ تمتع کی نیت سے خانۂ کعبہ کا طواف کرنا۔ سات چکر کا ایک طواف ہوتا ہے۔ چکر کی ابتدا حجرِ اسود سے کرے اور پھر پورے کعبہ کے گرد چکر لگا کر حجرِ اسود تک آئے یہ ایک چکر شمار ہوگا۔ اور ہر چکر لگاتے وقت خانۂ کعبہ بائیں طرف ہو۔

۸-- طواف کے بعد دو رکعت نمازِ طواف ادا کرے یہ نمازِ حجِ تمتع کی نیت سے مقامِ ابراہیم کے پیچھے پڑھے۔

۹-- نمازِ طواف کے بعد صفا و مروئی میں جا کر حجِ تمتع کی نیت سے سعی کرے۔ سعی کوہِ صفا سے شروع کر کے کوہِ مروہ پر ختم کرے۔

۱۰-- اس کے بعد طواف النساء کرے ا۔

۱۱-- طواف النساء کے بعد پھر دو رکعت نمازِ طواف مقامِ ابراہیم کے پیچھے پڑھے۔ اس کے بعد پھر منیٰ چلا جائے۔

۱۲-- جو شخص غروبِ آفتاب کے وقت منیٰ میں ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ گیارہویں شب، بارہویں شب اور تیرہویں شب منیٰ ہی میں بسر کرے۔

۱۳-- گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ کو تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارے، ابتدا جمرۂ اولیٰ سے کرے۔ اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ کو کنکریاں مارے پھر جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارے اور جو شخص تیرہویں شب کو منیٰ میں رہے وہ تیرہویں کے دن میں بھی تینوں شیطانوں کو مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق کنکریاں مارے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حج کے اعمال چار (درجِ ذیل) مقامات پر انجام دیئے جاتے ہیں۔

ا۔ مذاہبِ اربعہ کے یہاں طواف النساء واجب نہیں ہے ان کے یہاں طوافِ واجب کے بعد کوئی طواف نہیں ہے۔

۱--- مکہ مکرمہ

۲--- عرفات

۳--- مزدلفہ

۴--- منیٰ

حالتِ احرام میں جن باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے

آدمی جب احرام باندھ لے تو اس پر بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں اس لئے ان سے پرہیز کرنا چاہئے اور وہ چیزیں درج ذیل ہیں۔

۱--- خشکی کے جانوروں کا نہ شکار کرے نہ شکار کرنے والے کی مدد کرے۔ نہ شکار ذبح کرے نہ شکار کو کھائے' البتہ درندوں یا جن جانوروں سے خوف ہو وہ مستثنیٰ ہیں۔

۲--- عورتوں سے کسی قسم کی لذت اندوزی کرنا اور اسی طرح استمناء کرنا (یعنی ایسا کوئی کام کرنا جس سے منی باہر آجائے)۔

۳--- اپنا یا کسی دوسرے کا نکاح پڑھنا [۱] یا نکاح کا گواہ بننا۔

۴--- خوشبو لگانا' سرمہ لگانا' تیل لگانا' زینت کے لئے آئینہ دیکھنا' زینت کے لئے انگوٹھی پہننا۔ اسی طرح عورت کا زینت کے لئے زیور پہننا۔ البتہ جن زیورات کے پہننے کی عادی ہے ان کو پہن سکتی ہے لیکن ایسی زینت کا اظہار نہ کرے انتہا یہ ہے کہ اپنے محرم پر بھی ظاہر نہ کرے۔

۵--- مردوں کے لئے سلا ہوا لباس پہننا یا ایسا موزہ وغیرہ پہننا جس سے پاؤں کے تلوے کا اوپری حصہ چھپ جائے۔

۶--- فسوق یعنی جھوٹ بولنا' گالی دینا وغیرہ

۱۔ ابو حنیفہ کے نزدیک نکاح پڑھنا صحیح ہے اور نکاح درست بھی ہو گا۔

۷-- جدال یعنی کسی کی تائید کے لئے خدا کی قسم کھانا۔ جیسے لا واللہ یا بلی واللہ۔
۸-- انسانی جسم میں جو کیڑے ہوتے ہیں ان کو مارنا۔ مثلاً جوں کا مارنا پسو وغیرہ کا مارنا۔

۹-- بالوں کو جسم سے الگ کرنا۔

۱۰-- بدن سے خون نکلوانا' دانت نکلوانا' ناخن کاٹنا۔

۱۱-- چلتے ہوئے اختیاری طور پر مَردوں کا سایہ میں ہونا یا سر کا ڈھانکنا۔ اسی طرح عورت کا اپنے منہ کو ڈھانکنا۔

۱۲-- حرم کے درخت یا گھاس کا کاٹنا یا اکھاڑنا..... (حرم سے مراد مکہ مکرمہ کی وہ تاریخی حدود ہیں جو رسولِ خداؐ کے زمانہ میں تھیں)

۱۳-- ہتھیار کا ساتھ رکھنا۔

مستحبات

جب حاجی مناسکِ حج مکمل کر کے مکہ سے جانے لگے تو طوافِ وداع کر کے جانا مستحب ہے۔ اسی طرح حجرِاسود کو چومنا' خدا کی حمد و ثنا کرنا' محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجنا مستحب ہے۔ حج سے پہلے یا حج کے بعد مدینہ منورہ میں رسولِ خداؐ کے روضہ کی زیارت کرنا بھی مستحب ہے۔

کفارے

اگر حالتِ احرام میں جان بوجھ کر کوئی ایسا کام کرے جس کی ممانعت تھی تو اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ کفارہ زیادہ تر بھیڑ' بکری' گائے' اونٹ کا ذبح کرنا ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں ایک یا کئی فقیروں کو کھانا کھلانا یا تین دن کے روزے رکھنا ہوتا ہے۔ یا اس کے علاوہ اور کوئی چیز ہوتی ہے..... حالتِ احرام میں جس قسم کی مخالفت ہو گی اسی اعتبار سے کفارہ واجب ہو گا۔

نوٹ: ہم نے یہاں مختصر طور پر بیان کیا ہے تفصیل کے لئے بڑی کتابوں یا مرجع وقت کا رسالہ "مناسکِ حج" دیکھنا ضروری ہے۔

سوال نمبرا-- صحیح جواب کے لئے یہ علامت (✓) اور غلط کے لئے یہ علامت (×) استعمال کیجئے؟

(الف)-- حج نابالغ بچّے پر بھی واجب ہے۔

(ب)-- جو مسلمان بالغ، عاقل، مالی قدرت، جسمانی طاقت اور پر امن راستہ رکھتا ہو اس پر حج واجب ہے۔

(ج)-- حجِ قران میں قربانی کا جانور ساتھ لانا ضروری ہے۔

سوال نمبر۲-- احرام میں کیا کیا چیزیں ضروری ہیں؟

سوال نمبر۳-- منیٰ میں مناسکِ حج سے فارغ ہونے کے بعد حاجی کے لئے دسویں دن مکہ آکر جن پانچ اعمال کا بجالانا ضروری ہے ان کی تفصیل لکھئے؟

سوال نمبر۴-- احرام باندھنے کے بعد حاجی پر جو چیزیں حرام ہو جاتی ہیں ان میں سے صرف پانچ چیزوں کو بیان کیجئے؟

جہادِ فی سبیل اللہ

ارشادِ ربّ العزت ہے۔

یا ایھا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم تومنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون○

"اے ایماندارو کیا میں تم کو ایسی تجارت بتا دوں جو تم کو (آخرت کے) دردناک عذاب سے نجات دے۔ (وہ یہ ہے کہ) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مال اور جان سے خدا کی راہ میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھو تو یہی تمھارے حق میں بہتر ہے"۔

(سورہ صف ۶۱ آیت ۱۰ - ۱۱)

اگر ہم اسلامی دعوت کے آغاز اور رسولِ کریمؐ اور ان کے اصحاب کی مدینہ میں ابتدائی دس سالہ زندگی کا مطالعہ کریں، تو معلوم ہو گا کہ یہ مرحلہ جہادِ مال و جہادِ نفس کا مرحلہ تھا۔ بالکل اسی طرح سے جیسے اس کے بعد مکہ کی زندگی تبلیغِ رسالت اور مصیبتوں پر صبر کا مرحلہ تھا۔

مدینہ منورہ کی زندگی میں ان غزوں کی تعداد جن میں آنحضرتؐ نے خود بھی شرکت فرمائی اور ان جنگوں کی تعداد جن میں خود تو شریک نہیں ہوئے لیکن کسی کی سرکردگی میں لشکر بھیجا، سب مجموعی طور پر تقریباً اسّی تھیں۔

اسلام کی نشر و اشاعت اور اپنی جان اور اپنے عقیدے کے دفاع میں اور کفر و فساد کو ختم

کرنے کے لئے خود آنحضرتؐ اور آپؐ کے اصحابِ کرام نے اپنی جان و مال سے جہاد کیا۔

جہاد ایک مقدّس فریضہ ہے۔ اگر جہاد نہ ہوتا تو اسلام کی نشرو اشاعت ناممکن ہو جاتی اور طاغوتی طاقتیں سرنگوں نہ ہو پاتیں۔ اگر جہاد کو ترک کر دیا جائے تو استعماری طاقتیں، ظالم اور کفار ہمارے ملکوں اور ہماری دولت و ثروت پر قابض ہو جائیں اور ہمارے عقائد کو بدل ڈالیں۔

اس لئے جس شخص کو خدا نے صلاحیت دی ہے اس پر اسی طرح اپنے قلم اور اپنی زبان سے جہاد فی سبیل اللہ واجب ہے جس طرح ہر مسلمان پر واجب ہے کہ دشمنانِ اسلام و مسلمین سے اپنے دین، وطن، عزت، حق، عدالت کے دفاع کے لئے فی سبیل اللہ جہاد کرے۔

جہاد واجبِ کفائی ہے یعنی اگر کچھ لوگ اس فریضے کو پورا کر رہے ہیں تب تو دوسروں سے ساقط ہے لیکن اگر کوئی مسلمان اس فریضہ کو ادا نہ کرے یا چند ایسے لوگ اس کام کو کریں جو ناکافی ہوں تو جہاد نہ کرنے والے گنہگار رہوں گے۔

جہاد کی قسمیں

اسلام میں جہاد کی چار قسمیں ہیں جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے۔

۱۔۔ جہادِ دعوت

اس سے مراد اسلامی دعوت کو عام کرنا اور غیر مسلموں کو حلقہ بگوشِ اسلام کرنا ہے۔ جیسا کہ رسولِ خداؐ، ان کے اصحاب اور آنحضرتؐ کے بعد باقی مسلمان کیا کرتے تھے۔ یہ جہاد قدرت و صلاحیت رکھنے والوں پر واجب ہے۔

۲۔۔ جہادِ دفاع

مسلمان ممالک کی حفاظت کرنے اور ان کے عقائد و املاک کو بچانے کے لئے یہ جہاد اس وقت واجب ہوتا ہے جب دشمن حملہ آور ہو۔ جیسے استعماری ممالک اور صیہونی طاقتوں نے فلسطین پر قبضہ کر رکھا ہے......

دفاعِ واجب کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ جب سیاسی، ثقافتی، اقتصادی، استعماری طاقتیں مسلمانوں کی دولت و ثروت پر تسلط حاصل کرنا چاہیں، ان کی حکومتوں کو کمزور کرنا چاہیں اور مسلمانوں کو ان کے عقیدہ سے دور کرنا چاہیں تو تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے تمام ممکن وسائل سے ان کا مقابلہ کریں تاکہ ان لوگوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں اور اسلامی سلطنت کا استقلال اور آزادی محفوظ رہے۔

۳۔۔ باغیوں کے خلاف جہاد

اگر کوئی اسلامی حکومت کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ کے مطابق عمل کرتی ہو اور حق و عدالت کی بنیاد پر قائم ہو۔ لیکن کچھ لوگ اس حکومت سے بغاوت کریں اور اس کے احکام کی مخالفت کریں تو ایسے وقت میں ان باغیوں سے اس وقت تک جہاد واجب ہے جب تک وہ توبہ نہ کرلیں یا ہلاک نہ ہو جائیں۔

۴۔۔ اہلِ ذمہ سے جہاد

اہلِ ذمہ یعنی یہود و نصاریٰ اگر طے شدہ معاہدے کی خلاف ورزی کریں تو ایسی صورت میں ان سے بھی جہاد کرنا واجب ہے۔

جان و مال، عزت و آبرو کا دفاع

جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا:۔

> جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرنے میں مظلوم قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ اور جو اپنے مال کی حفاظت کرنے میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے پڑوسی کی حفاظت کرنے میں مظلوم مارا جائے وہ بھی شہید ہے اور جو خدا کی راہ میں قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے [۱]

۱۔ کنزالعمال جلد ۴۔ صفحہ ۴۲۵ حدیث نمبر ۱۱۲۳۷

اسلام نے انسانی عزت کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کے جان و مال کی حفاظت کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ اسلام کی رو سے ہر انسان کو اپنی جان' مال' عزت و آبرو' کرامت و شرف' اہل و عیال اور متعلقین کے دفاع کا حق حاصل ہے۔ اگر چور یا ڈاکو وغیرہ کسی پر ظلم کریں تو اس کو حق ہے کہ اپنی جان' مال' عزت و آبرو وغیرہ کا دفاع کرے۔ اور ایسی صورت میں وہ چور یا ڈاکو کو قتل کر دے تو وہ نہ خدا کے سامنے جوابدہ ہو گا اور نہ ہی قانون کی نظر میں مجرم۔ کیوں کہ ابتدا کرنے والا ظالم ہوتا ہے۔ البتہ اس مظلوم پر یہ ضرور واجب ہے کہ اس پر جو زیادتی و مظالم کئے جا رہے ہیں ان کا بطریقِ احسن دفاع کرے اور اگر یہ ناممکن ہو تب قوت کا استعمال کرے یعنی جان' مال' آبرو' کرامت کے دفاع کے لئے بتدریج آسان سے سخت طریقہ اختیار کرے۔ یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ پہلے ہی حملہ کر کے قتل کر دے بلکہ مثلاً پہلے افہام و تفہیم سے کام لے' پھر ڈرائے دھمکائے۔ اگر جان کی حفاظت بغیر قتل کے ممکن ہی نہ ہو تو مجبوراً ایسا اقدام کر سکتا ہے۔

سوال نمبر ۱۔۔۔ اسلام میں جہاد کے سیاسی مقاصد کیا ہیں؟ ان کو وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟

سوال نمبر ۲۔۔۔ باغی سے کیا مراد ہے؟ اور کیا اسلام میں باغیوں سے جہاد کرنا واجب قرار دیا گیا ہے؟

سوال نمبر۳--- ذیل کی عبارت کو پہلے اچھی طرح پڑھیے' پھر اپنے ساتھیوں کے سامنے اس کی وضاحت کیجیے؟

"اسلام کی رو سے ہر انسان کو اپنی جان 'مال 'عزت و آبرو 'کرامت و شرف 'اہل و عیال اور متعلقین کے دفاع کا حق حاصل ہے۔ اگر چور یا ڈاکو وغیرہ کسی پر ظلم کریں تو اس کو حق ہے کہ اپنی جان 'مال 'عزت و آبرو وغیرہ کا دفاع کرے۔"

مسلمانوں کے فقہی مذاہب

فقہ کی تعریف

یہ بات پہلے بھی بتائی جا چکی ہے کہ اسلامی قوانین و احکام، جیسے حلال، حرام، واجب، مکروہ، مستحب، صحیح، باطل وغیرہ کے جاننے کا نام علمِ فقہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ سارے احکام قرآنِ مجید اور سنّتِ نبویؐ ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں۔

رسولِ خداؐ کے زمانے میں مسلمان اپنے دینی احکام، خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں جیسے نماز، روزہ، حج، زکات وغیرہ یا معاملات سے متعلق ہوں جیسے خرید و فروخت، کرایہ داری، شادی بیاہ، طلاق وغیرہ یا عدالتی احکام سب کے سب براہِ راست رسولِ خداؐ سے حاصل کرتے تھے..... لیکن آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد اگر نماز یا روزے یا خاندانی معاملات یا تجارت، قضاوت اور حج وغیرہ کے سلسلے میں ایسے مسائل پیش آتے تھے جو رسولِ خداؐ کے زمانہ میں نہیں تھے تو مسلمان حکمِ شرعی جاننے کے لئے اصحاب سے رجوع کرتے تھے۔ جیسے حضرت علیؑ، عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ۔

لیکن کبھی کبھی اصحاب کے فتووں میں اختلاف ہو جاتا تھا۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ البتہ اگر کسی کو اپنی غلطی کا علم ہو جاتا تھا تو وہ فوراً بغیر کسی چون وچرا کے اس کو مان بھی لیتا تھا۔

جب اصحاب کا دور ختم ہو گیا اور تابعین کا زمانہ شروع ہوا تو فتووں میں بہت زیادہ

اختلاف ہونے لگا۔ اور ہر ایک کا اجتہاد دوسرے کے اجتہاد سے ٹکرانے لگا۔ مگر اس کے باوجود اس وقت اتنے مذاہب پیدا نہیں ہوئے تھے جو آج نظر آتے ہیں۔ بلکہ مسلمان صحابہ میں اَعلَم (یعنی سب سے زیادہ جاننے والے) کی طرف یا تابعین کی طرف یا علمائے اہلِ بیتؑ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور ان حضرات سے حکم شرعی معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

حضرت علیؑ اور معاویہ کا اختلاف

مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ عثمان بن عفان کی موت کے بعد تمام مسلمانوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کر لی لیکن معاویہ نے حضرت علیؑ کی بیعت سے انکار کر دیا اور شام والوں نے بھی معاویہ کی پیروی کی۔ جب شام میں معاویہ کی مستقل حکومت ہو گئی تو اس نے اپنے لئے مخصوص قسم کے فقہا اور راویانِ حدیث منتخب کئے اور یوں اس زمانہ سے مسلمانوں میں فقہی تقسیم عمل میں آئی۔ حالانکہ تمام مسلمان اور بڑے بڑے صحابہ حضرت علیؑ کو خلیفہء راشد مانتے تھے اور آپؑ واقعاً تمام اصحاب میں سب سے اَعلَم بھی تھے۔

جب معاویہ اور حضرت علیؑ میں جنگ شروع ہوئی تو لوگوں نے کھُلم کھُلا حضرت علیؑ اور ان کے دونوں صاحبزادوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے محبت کا اظہار کرنا شروع کر دیا کیوں کہ ان کا شمار اہلِ بیتؑ میں ہوتا تھا جن کی عظمت خود قرآن نے بیان کی ہے اور جن کی محبت وولایت کو واجب قرار دیا ہے۔

اسی وقت سے مکتبِ تشیّع یعنی اہلِ بیتؑ کی محبت ' ان کی پیروی اور ان کے استحقاقِ امامت پر ایمان رکھنے کی نشوونما شروع ہوئی [۱]۔ اس طرح معاویہ سے جنگ کے نتیجہ میں

---

[۱] مورخین کا بیان ہے کہ شیعیت کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا جب رسولِ مقبولؐ کی رحلت کے فوراً بعد سقیفہ کا واقعہ پیش آیا اور مسلمانوں کے درمیان بیعت کے مسلے پر اختلاف ہوا۔

شیعیت بہت ہی واضح اور قوی ہو گئی۔

جب حضرت علیؑ شہید ہو گئے اور امام حسنؑ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو معاویہ نے امام حسنؑ کی بھی مخالفت شروع کر دی اور جنگ پر اُتر آیا۔ پھر جب اِدھر امام حسن شہید ہو گئے اور معاویہ بھی ہلاک ہو گیا تو عاشورہ محرم ۶۱ھ کو کربلا میں یزید بن معاویہ کے لشکر اور حضرت امام حسینؑ کے درمیان جنگ ہوئی اور امام حسینؑ مع اپنے اہل و عیال و اصحاب و انصار (بہتر (۷۲) افراد) میدانِ کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔

اس وقت بھی مسلمانوں میں اتنے فقہی مذاہب موجود نہیں تھے جتنے آج ہیں۔ البتہ دو بڑے فرقے پیدا ہو گئے ایک فرقہ حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور ان کی اولاد کا ماننے والا تھا اور دوسرا فرقہ اموی حکومت کا طرفدار۔

جب پہلی صدی ہجری کے آخر میں اسلامی علوم و معارف میں وسعت پیدا ہوئی۔ جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، توحید (کلام) تو مسلمانوں میں بڑے بڑے علماء پیدا ہو گئے جیسے سعید بن المسیب، حسن بصری، سفیان ثوری، امام محمد باقر بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ وغیرہ، (امام محمد باقر کو باقر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے کثرتِ علم کی بناء پر علوم میں بہت زیادہ وسعت پیدا کر دی تھی اور اسی وجہ سے بڑے بڑے علماء آپ سے کسبِ فیض کرتے تھے۔ اور آپؑ کی شاگردی اختیار کر کے نامور عالم بن جاتے تھے۔

مذاہبِ فقہیہ کی نشوونما

دوسری صدی ہجری میں علمِ فقہ میں کافی وسعت پیدا ہو گئی اور نئے نئے فقہی مذاہب وجود میں آنے لگے، اسی زمانہ میں بہت سے فقہا و مجتہدین پیدا ہوئے اور انہوں نے بہت سارے احکام کا استنباط [۱] کیا اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور اجتہاد و استنباط کا دائرہ وسیع سے وسیع تر

۱۔ استنباط یعنی قرآن اور حدیث کے ذریعہ احکامِ شرع اخذ کرنا۔

ہوتا چلا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ استنباط شدہ احکام اور فتاویٰ میں زبردست اختلاف رونما ہونے لگے۔ (جس کا مشاہدہ اس دور میں آسانی سے کیا جا سکتا ہے) مثلاً نماز میں ہاتھوں کو کھلا رکھنا چاہئے یا باندھنا چاہئے..... یا وضو کے بعض احکام میں اختلافات' روزے کے مسائل میں اختلاف' نکاح' طلاق' میراث وغیرہ کے مسائل میں طرح طرح کی آراء وغیرہ وغیرہ۔

ہم یہاں پر مسلمانوں کے ان بڑے بڑے فقہی مذاہب کا ذکر کریں گے جو آج کے دور میں موجود ہیں.....

۱-- مذہبِ اہلِ بیتؑ۔ اس مذہب کو مذہبِ جعفری یا مذہبِ شیعہ امامیہ بھی کہا جاتا ہے۔

۲-- حنفی مذہب

۳-- مالکی مذہب

۴-- شافعی مذہب

۵-- حنبلی مذہب

اب ہم ہر فقہی مذہب کے بارے میں مختصر گفتگو کریں گے۔

مذہبِ شیعہ

اس کو امام جعفر صادقؑ کی طرف منسوب کرتے ہوئے مذہبِ جعفری بھی کہا جاتا ہے اور اثنا عشری مذہب بھی کیوں کہ یہ لوگ اہلِ بیتؑ کے بارہ اماموں پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ دوسرے فقہی مذاہب کے ائمہ کے استاد تھے۔ علماء اور ائمۂ مذاہب نے آپؑ کے علم و فضل و زہد و عبادت کی گواہی دی ہے۔

بنی امیہ کے دورِ حکومت میں سنہ ۸۲ھ میں آپؑ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ امام محمد باقرؑ کی زیرِ نگرانی آپ کی پرورش و نشوونما ہوئی۔ آپ اپنے والدِ ماجد کی طرح مسجدِ نبویؐ میں علم دین و شریعت کی تدریس اور اس کی نشرو اشاعت میں مشغول رہتے تھے۔

آپؑ نے اپنے والد امام محمد باقرؑ کی ان روایتوں کی روایت فرمائی ہے جن کو امام محمد باقرؑ نے اپنے آباء کے واسطے سے اپنے جد رسولِ خداؐ سے روایت کیا۔ امام جعفر صادقؑ نے ہزاروں فقہی مسائل کو بطورِ فتویٰ بیان فرمایا ہے۔ علماء و طلاّب کے لئے اسلامی معارف، علومِ توحید، تفسیر وغیرہ کو بیان فرمایا۔

علماء نے ان معتبر راویوں کی تعداد جنہوں نے امام جعفر صادقؑ سے روایات نقل کی ہیں اور ان طلاّبِ علومِ دین کی تعداد جنہوں نے حضرت کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے چار ہزار بیان کی ہے۔

جن لوگوں نے براہِ راست امام جعفر صادقؑ سے درس حاصل کیا ہے ان میں بعض ائمۂ حدیث اور بعض ائمۂ مذاہب کے نام بھی شامل ہیں جیسے امام ابو حنیفہ، امام مالک بن انس۔

امام جعفر صادقؑ کے بارے میں علماء کے اقوال

امام جعفر صادقؑ کے معاصرین اور ان کے بعد آنے والے حضرات خواہ وہ علماء ہوں یا فقہاء، مورخین ہوں یا اور دوسرے حضرات سب ہی نے آپ کے علم و فضل، زہد و ورع کا اعتراف کیا ہے اور بہت ہی احترام سے آپ کا ذکر کیا ہے۔

۱۔۔ امام مالک (مالکی مذہب کے امام) بیان کرتے ہیں۔

"میں مدتوں جعفر بن محمدؑ کے پاس جاتا رہا لیکن ہمیشہ آپ کو تین حالتوں میں سے ایک میں ضرور پایا۔ جب بھی گیا تو دیکھا کہ آپؑ نماز پڑھ رہے ہیں یا روزے سے ہیں یا تلاوتِ قرآن فرما رہے ہیں"[۱]

۱۔ کتاب مالک از محمد ابو زہرا۔ ص ۲۸ بحوالہ مدارکِ قاضی عیاض ص ۲۱۲۔

نیز فرماتے ہیں۔

"نہ تو کسی آنکھ نے کسی کو دیکھا ہے نہ کسی کان نے کسی کے بارے میں سنا ہے نہ کسی بشر کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ اس نے علم و عبادت و زہد میں کسی کو امام صادقؑ سے افضل سنا ہو یا دیکھا ہو۔" ا۔

۲۔۔ عمر بن المقدام کہتے ہیں۔

"میں جب جعفر بن محمدؑ کو دیکھتا تھا تو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ اولادِ نبیؐ ہیں۔ حدیث، حکمت، زہد، مواعظ کی میں نے کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جس میں اِن کا کلام موجود نہ ہو۔ لوگ جب ان کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں جعفر بن محمد الصادقؑ نے فرمایا"۔ ۲۔

۳۔۔ مشہور مورخ یعقوبی کہتا ہے۔

"آپ افضل الناس تھے، دینِ الٰہی کے بارے میں اَعلم الناس تھے۔ جن اہلِ علم نے آپؑ سے روایت سنی ہے وہ جب آپؑ سے روایت کرتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم سے العالم نے بیان کیا"۔ ۳۔

۴۔۔ شہرستانی اس طرح تعریف کرتے ہیں۔

"آپ کو دین کے بارے میں بہت زیادہ معلومات تھیں، حکمت پر کامل عبور رکھتے تھے۔ دنیا کے بارے میں بہت زیادہ زاہد تھے، شہوات میں

ا۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴۔ ص ۲۴۸

۲۔ حلیۃ الاولیاء بحوالہ ابن شہر آشوب۔ مناقب آل ابی طالب ج ۴۔ ص ۲۴۹

۳۔ تاریخ یعقوبی ج ۳۔ ص ۱۱۹۔ طبع ۱۹۶۴

مکمل ورع کے مالک تھے"۱۔

۵-- امام ابو حنیفہ کہتے ہیں۔

"میں نے جعفر بن محمدؑ سے افقہ شخص نہیں دیکھا۔ جب منصور۲۔ نے ان کو بلوایا تو میرے پاس ایک آدمی بھیجا اور مجھ سے کہا اے ابو حنیفہ لوگ جعفر بن محمدؑ کے دیوانے ہو رہے ہیں لہٰذا تم مشکل مسائل اکٹھا کرو چنانچہ میں نے چالیس مسئلے اکٹھا کر لئے۔ پھر ابو جعفر (منصور) نے مجھے حیرہ بلوا بھیجا۔۔۔ جب میں منصور کے پاس پہنچا تو دیکھا اس کے داہنی طرف جعفر بن محمدؑ بیٹھے ہوئے ہیں۔

جب میری نظر جعفر ابن محمدؑ پر پڑی تو مجھ پر اتنی ہیبت طاری ہو گئی جو منصور سے ملاقات پر نہیں ہوئی۔ میں نے منصور کو سلام کیا اس نے اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا پھر منصور ان کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے کہا: اے ابا عبداللہ یہ ابو حنیفہ ہے۔ جعفر صادقؑ نے فرمایا: ہاں اس کے بعد فرمایا میرے پاس آئے تھے (اس کے بعد شاید یہ کہنے سے اعراض کیا اور ناپسند کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جب میں کسی کو دیکھتا ہوں تو پہچان لیتا ہوں) اس کے بعد منصور میری طرف متوجہ ہو کر بولا: اے ابو حنیفہ ابو عبداللہ کے سامنے اپنے مسائل پیش کرو۔ میں نے ایک ایک مسئلہ پوچھنا شروع کیا اور وہ ہر مسئلہ میں کہتے تھے تم لوگ یہ کہتے ہو اور اہل مدینہ یہ کہتے ہیں اور ہم (اہل بیتؑ) یہ کہتے ہیں پس جواب میں

۱۔ ملل و نحل۔ حاشیہ فصل فی الملل ابن حزم جلد ۱۔ صفحہ ۲۲۴۔

۲۔ اس سے مراد ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ ہے۔

کبھی تو کسی کی موافقت فرماتے تھے اور کبھی سب ہی کی مخالفت فرماتے تھے یہاں تک کہ میں نے چالیسوں سوال پوچھ ڈالے۔پھر ابو حنیفہ کہتے ہیں: کیا ہمارے یہاں روایات میں یہ نہیں آیا ہے کہ جو اختلافات کو سب سے زیادہ جانتا ہو وہی اَعلم الناس ہوتا ہے۱۔

۶-- شیخ الازہر محمد ابوزہرہ فرماتے ہیں۔

ہم نے خدا کی مدد و توفیق پر بھروسہ کرتے ہوئے عزم کرلیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے بارے میں تحریر کریں۔ اور اب تک میں سات ائمہ کرام کے بارے میں لکھ چکا ہوں امام جعفر صادقؑ کا ذکر آخر میں کرنے سے میرا مقصد یہ نہیں کہ وہ ان میں سے کسی ایک سے بھی کم تھے۔ بلکہ وہ اکثر پر سبقت لئے ہوئے تھے اور اکابر پر بھی ان کو خاص فضیلت ہے۔ کیوں کہ ابو حنیفہ ان سے روایت کرتے تھے اور ابو حنیفہ کا خیال تھا کہ چونکہ جعفر صادقؑ سب سے زیادہ اختلافات کو جاننے والے تھے اس لئے وہ اَعلم الناس تھے اور تمام فقہا سے زیادہ احاطہ رکھتے تھے۔ خود امام مالک ان کے پاس درس پڑھنے اور روایت کرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ اور امام جعفر صادقؑ کے لئے یہی فضیلت کافی ہے کہ آپؑ ابو حنیفہ اور امام مالک کے استاد تھے۔ یہ ناممکن ہے کہ ان کو کسی نقص کی وجہ سے موخر کیا جائے اور دوسرے کو مقدم کیا جائے۔ ان سب باتوں کے علاوہ وہ امام محمد باقرؑ کے بیٹے تھے جنھوں نے علم کو

۱- مناقب ابی حنیفہ از موفق جلد۱- صفحہ ۱۷۳- جامع اسانید ابو حنیفہ جلد۱- صفحہ ۲۲۲- الحفاظ ذہبی جلد۱- صفحہ ۱۵۷

واضح کیا اور علم کے مغز تک پہنچ گئے اور امام زین العابدینؑ کے پوتے
تھے جو اپنے زمانہ میں فضل و شرف و دین و علم میں اہلِ مدینہ کے سردار
تھے۔ ۱؎

امام جعفر صادقؑ نے کچھ اپنے دادا کا اور اس کے بعد اپنے والدِ بزرگوار کا زمانہ پایا اور تمام علوم و معارف انہیں دونوں بزرگوں سے حاصل کئے۔ آپ تقریباً ۶۸ سال زندہ رہے کیوں کہ آپ کی ولادت ۸۲ھ میں ہوئی اور آپ کی شہادت ۱۴۸ھ میں اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں "جو مسجدِ نبویؐ کے قریب ہے" آپؑ دفن ہوئے۔

آپؑ نے رسولِ مقبولؐ کی بے شمار حدیثیں اپنے آباو اجداد کے واسطے سے روایت کی ہیں۔ اور خود آپؑ سے بھی علماء اور راویانِ احادیث نے روایت کی ہے۔ آپؑ نے مسلمانوں کو علومِ تفسیر، فقہ، توحید، اخلاق وغیرہ کے درس دیئے۔ بڑے بڑے علماء وفلاسفہ سے مناظرے کئے۔ زندیقوں اور ملحدوں کی باقاعدہ رد فرمائی اور ان کے غلط افکار اور اسلام دشمن نظریات کی دھجیاں اڑا دیں۔ نشرِ اسلام و علوم و معارف میں آپؑ کا بہت بڑا حصّہ ہے۔

آپؑ جن احادیث کو اپنے آباء و اجداد کے واسطہ سے پیغمبرِ اسلامؐ سے روایت فرماتے تھے ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

میری حدیث میرے والد کی حدیث ہے اور میرے والد کی حدیث
میرے دادا کی حدیث ہے، میرے دادا کی حدیث ان کے والد کی حدیث
ہے اور ان کے والد کی حدیث حضرت علیؑ کی حدیث ہے اور حضرت علیؑ
کی حدیث رسولِ خداؐ کی حدیث ہے اور رسولِ خداؐ کی حدیث خدا کا قول
ہے۔"

۱؎ الامام الصادق از محمد ابو زہرہ۔

اہلِ بیتؑ کا مذہب عصرِ حاضر میں بھی مختلف اسلامی ممالک میں پھیلا ہوا ہے جیسے عراق ' لبنان ' ایران ' پاکستان ' انڈونیشیا ' جزیرہ نمائے عرب ' ہندوستان وغیرہ ۔ ۔ ۔ ۔

حنفی مذہب

اس مذہب کا نام اس کے امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر کے حنفی رکھا گیا ہے۔ ابو حنیفہ کا نام نعمان بن ثابت بن زوطی الفارسی تھا۔ ان کے دادا کابل (افغانستان کا دارالسلطنت) کے رہنے والے تھے۔ ابو حنیفہ کی سن ۸۰ ھ میں پیدائش اور سن ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات بتائی جاتی ہے۔ ان کو بغداد ہی میں دفن کیا گیا اور آج بھی دجلہ کے کنارے ان کی قبر موجود ہے۔

ابو حنیفہ کی پرورش کوفہ میں ہوئی۔ کچھ دنوں تک یہ تجارت کرتے رہے اس کے بعد تعلیم و تعلم کی طرف متوجہ ہوئے۔ حماد ابن ابی سلمہ جن کا تابعین میں شمار ہوتا تھا۔ ابو حنیفہ ۱۸ سال ان کے شاگرد رہے اور نامور علماء عصر میں ان کا شمار ہونے لگا اور یہ صاحبِ رائے اور صاحبِ اجتہاد ہو گئے۔ انہوں نے احکام اخذ کرنے کے سلسلہ میں قرآن و سنّت کے علاوہ قیاس اور رائے پر بھی اعتماد کرنا اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔ اسی لئے اس زمانہ کے علماء اور ائمۂ مذاہب نے ان کی مخالفت کی اور رای و قیاس پر اعتماد کرنے کے سلسلے میں ان پر نکتہ چینی کی۔ انتہا یہ ہے کہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ نے بھی ابو حنیفہ پر تنقید کی۔ اور یہ دلیل دی کہ جب قرآن و سنّت کافی ہیں تو رائے اور قیاس پر اعتماد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح ان پر امام مالک اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے بھی بہت زیادہ اعتراضات کئے۔

ابو حنیفہ کا مذہب سب سے پہلے عراق میں رائج ہوا اور اس کے بعد دیگر اسلامی ممالک میں پھیل گیا۔ ابو حنیفہ نے ۵۲ سال بنی امیّہ کی حکومت میں گزارے مگر کبھی بنی امیّہ کی تائید نہیں کی۔

وہ ہمیشہ خلافت کو آلِ علیؑ کا حق سمجھتے تھے۔ اسی لئے جب زید بن علیؑ بن الحسین بن علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اموی حکومت کے خلاف علم بلند کیا تو ابو حنیفہ نے نہ صرف یہ کہ زید بن علی کی تائید کی بلکہ یہ فتویٰ جاری کردیا کہ مالِ زکات انہیں کو دیا جائے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ابو حنیفہ نے دو سال زید بن علیؑ کی شاگردی کی جیسے کہ عبداللہ بن الحسنؑ بن علیؑ بن ابی طالب اور امام محمد باقرؑ کی شاگردی اختیار کی تھی۔ اموی حکومت نے ابو حنیفہ سے خواہش کی کہ وہ منصبِ قضا کو سنبھال لیں لیکن انہوں نے نہایت بے رخی سے انکار کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انکو قید کردیا گیا اور کئی دن ان پر کوڑے برسائے گئے اور اتنا مارا گیا کہ قریب المرگ ہو گئے۔ مگر جلاد کی مدد سے قید خانہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے اور فرار ہو کر مکہ مکرمہ آ گئے اور پھر وہیں زندگی بسر کرنے لگے۔ کبھی مکہ میں رہتے کبھی مدینہ میں۔ اسی زمانہ میں ان کی امام جعفر صادقؑ سے ملاقات ہوئی تو دو سال ان کی بھی شاگردی اختیار کی اور بہت کچھ کسبِ فیض کیا اسی کے لئے وہ کہا کرتے تھے کہ لولا السنتان لھلک النعمان "اگر دو سال امام صادقؑ کی شاگردی نہ کرتا تو ابو حنیفہ ہلاک ہو جاتا"۔ اور اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ اموی اقتدار ختم ہو گیا اور بنی عباس کی حکومت قائم ہو گئی۔

ابو حنیفہ اپنی اجتہادی رائے کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ "یہ میری رائے ہے اور میری نظر میں سب سے اچھی رائے یہی ہے۔ اگر کوئی اس سے بہتر رائے پیش کردے تو میں قبول کرلوں گا۔ جو شخص میری دلیلوں کو نہیں جانتا اس پر حرام ہے کہ میرے کلام کے مطابق فتویٰ دے"۔[۱]

عباسی حکومت کے ساتھ تعاون نہ کرنے کی بناء پر منصور نے ان کو گرفتار کر کے قید کردیا

۱۔ الامام الصادق والمذاہب الاربعہ از اسد حیدر ج ا ص ۱۷۵ بحوالہ جلاء العیون آلوسی ص ۱۰۷ منقول از ابن تیمیہ۔

اور ایک سو دس کوڑے مارنے کا حکم دیا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی ا۔

ابو حنیفہ کی موت کے بعد ان کے شاگردوں جیسے قاضی ابو یوسف وغیرہ نے عباسی حکومت سے اپنے تعلقات مضبوط کر لئے اور منصب قضا پر فائز ہو کر مذہب ابو حنیفہ کا پرچار کیا۔

مالکی مذہب

اس مذہب کا نام مالکی اس کے بانی مالک بن انس بن مالک الاصبحی سے منسوب ہے۔ انکا تعلق یمن کے مشہور قبیلہ بنی الاصبح سے تھا۔

امام مالک ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اس زمانہ کے بعض فقہا مثلاً نافع (عبداللہ بن عمر کے غلام) ابنِ شہاب زہری وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ اور امام جعفر صادقؑ کی بھی شاگردی اختیار کی، فقہ و حدیث ان سے حاصل کیا۔ امام مالک حضرت امام جعفر صادقؑ کے بارے میں کہا کرتے تھے۔

"کسی آنکھ نے جعفرؑ بن محمدؑ سے افضل شخص نہیں دیکھا"۔

چالیس سال تک امّوی حکمرانوں کے زیرِ سایہ رہے مگر اس مدت میں ان کو علمی شہرت حاصل نہ ہو سکی البتہ جب بنی امیّہ کے سقوط کے بعد بنی عباس کا دور آیا تو ان کا قلبی رجحان آلِ علیؑ کی طرف تھا اور وہ آلِ علیؑ ہی کو مستحقِ خلافت سمجھتے تھے۔ اسی لئے جب محمد بن عبداللہ بن الحسنؑ بن علیؑ ابن ابی طالب نے عباسی حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو امام مالک نے محمد کی نصرت و مدد کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا۔ یہ بنی عباس کی بیعت کو درست نہیں سمجھتے تھے کیوں کہ وہ بیعت ظلم و جور سے لی جاتی تھی۔ جعفر بن سلیمان عباسی حاکم مدینہ نے انہیں پچاس کوڑے لگوائے تھے جس کی وجہ سے انکا داہنا ہاتھ کندھے سے اکھڑ گیا تھا۔

ا۔ ابو حنیفہ از محمد ابو زہرہ ص ۳۲۔ ۳۴ جلد اوّل از مناقب ابی حنیفہ۔

لیکن منصور عباسی نے ان کی رائے کو بدل دیا اور امام مالک سے بہت اچھے روابط پیدا کر لئے اور امام مالک سے خواہش کی کہ آپ فقہ میں ایک کتاب تحریر فرمائیں تاکہ اس کو شائع کیا جائے اور لوگ اس پر عمل کریں چنانچہ امام مالک نے اپنی مشہور کتاب "موطا" تحریر کی۔ اس کتاب میں امام مالک کی تمام فقہی آراء اور فتاویٰ تحریر ہیں ۱۔ اسی لئے یمن میں ان کی فقہ مشہور ہو گئی۔ انہوں نے یمن میں حکومت سے تعاون کیا اور بعض ذمّہ داریوں کو قبول کر لیا۔ ہارون الرشید کی خلافت کے زمانہ ۱۴۸ھ میں والیٔ یمن نے انہیں اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگوں پر الزام لگایا کہ یہ علویوں کی تائید کرتے ہیں اور ان کے حق میں پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ انہیں عدالت کا سامنا کرنے کے لئے بغداد بھیج دیا وہاں کچھ لوگوں کو قتل کر دیا گیا مگر امام مالک بچ گئے۔

پھر امام مالک مصر ہجرت کر گئے اور وہاں ان کا مذہب ان کی اور ان کے شاگردوں کی وجہ سے کافی پھولا پھلا اور دیگر اسلامی ممالک میں بھی رائج ہوا۔ امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔

یہ کہا کرتے تھے کہ۔

"اگر میرے قول کے خلاف ۲۔ صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو"۳۔

۱۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ منصور اور مہدی عباسی دونوں کی خواہش پر موطا لکھی گئی ہے۔

۲۔ یعنی اگر ان کا فتویٰ حدیث کے مخالف ہو تو باطل ہے۔

۳۔ الامام الصادق والمذاہب الاربعہ از اسد حیدر جلد۱۔ صفحہ ۱۷۵

حنبلی مذہب

اس مذہب کا نام بھی اس کے بانی احمد بن محمد بن حنبل کی طرف منسوب ہے جن کا سلسلۂ نسب ایک عرب قبیلہ تک پہنچتا ہے۔

یہ بغداد میں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں انہوں نے اپنے علمی دروس کی ابتدا کی۔ شافعی اور ابو حنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف اور دیگر علماء کی شاگردی اختیار کی۔ نیز اس زمانہ کے بعض علماء اور فقہا سے بھی تحصیلِ علم کیا۔ جیسے جریر جو امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔

یہ مذہب دیگر مذاہب کی طرح زیادہ مقبول نہیں ہو سکا۔ اس مذہب کے ماننے والے کچھ تو حجاز میں اور کچھ دیگر اسلامی ممالک میں آباد ہیں۔

امام احمد کا مذہب جب افریقہ اور اندلس میں کافی پھیل چکا تھا تب ان کا انتقال ہوا۔ اس مذہب کو پھیلانے میں اُن کے اُن شاگردوں کا کافی ہاتھ تھا جو منصبِ قضا پر فائز ہوئے۔ امام احمد رائے اور قیاس کے مسئلہ میں ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے۔

امام حنبل کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا یہ اپنی فقہی رائے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

میں ایک انسان ہوں غلطی بھی کرتا ہوں اور صحیح رائے بھی دیتا ہوں۔

اس لئے میرے قول کو کتاب وسنّت پر پیش کرکے دیکھ لیا کرو۔ [1]

شافعی مذہب

اس مذہب کا نام بھی اس کے بانی امام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع کی

---

[1] یعنی اگر ان کا فتویٰ حدیث کے مخالف ہو تو باطل ہے۔

طرف منسوب ہے۔ ان کا سلسلہ نسب جناب ہاشم بن عبدالمطلبؑ تک پہنچتا ہے جو رسولِ اکرمؐ کے جدِ امجد تھے [۱]۔

۱۵۰ھ میں امام شافعی کی ولادت ہوئی اور اسی سال ابو حنیفہ کا انتقال ہوا۔ امام شافعی یتیم تھے ان کی تربیت ان کی والدہ نے کی۔ دس سال کی عمر میں یہ مکہ گئے وہاں قرات و کتابت کو سیکھ کر دیہات منتقل ہو گئے، وہاں ۱۷ سال رہے۔ پھر علم شریعت و فقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے زمانہ کے علماء جیسے مسلم بن خالد المخزومی، مالک بن انس وغیرہ سے درس لیا۔ امام مالک سے ان کی کتاب الموطا پڑھی۔ امام مالک کے انتقال کے بعد بغداد واپس آگئے۔

وضاحت

ہم نے یہاں صرف پانچ فقہی مذاہب کا تذکرہ کیا جبکہ مذاہب کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے صرف مشہور مذاہب کا تذکرہ کیا ہے ورنہ ان کے علاوہ اور بھی مذاہب موجود ہیں جیسے زیدی مذہب جو آج کل یمن میں پایا جاتا ہے۔ زیدی مذہب ابو حنیفہ کے فقہی مذہب سے بہت قریب ہے کیوں کہ ابو حنیفہ زید بن علی کے شاگرد رہے ہیں۔

بعض اور مذاہب بھی ہیں جن کی مسلمان اتباع کرتے تھے مثلاً مذہب اوزاعی (المتوفی ۱۵۷ھ) جو امام مالک کے زمانہ میں شام کے اندر چھایا ہوا تھا اور اندلس میں بھی بہت مشہور تھا پھر یہ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ مذہبِ شافعی نے لے لی..... اسی طرح حسن بصری (المتوفی ۱۱۰ھ) کا مذہب تھا۔ شعبی (المتوفی ۱۰۵ھ) کا مذہب تھا، سفیان ثوری (المتوفی ۱۶۱ھ) کا مذہب تھا۔ ابنِ حزم اندلسی کا مذہب تھا۔ ان کے علاوہ بھی دیگر مذاہب تھے جن کے فقہی فتاویٰ تھے اور ان پر عمل ہوتا تھا۔ لیکن وہ سب ختم ہو گئے اب یہی پانچ مذہب موجود ہیں جن کی مسلمان اتباع

۱۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ ان کے جد (نافع) ابو لہب کے غلام تھے۔ بنی ہاشم کی فرد نہ تھے۔

کرتے ہیں (یعنی جعفری، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی)

تمام مسلمان اُمّتِ واحدہ ہیں

ہم سب جانتے ہیں کہ جس اسلام کو آنحضرتؐ لیکر آئے تھے اس میں نہ مذاہب تھے نہ احکام میں اختلاف تھا۔ اختلاف تو فقہا کے اجتہاد کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اگر کسی حکم میں فقہا کا اختلاف دیکھے تو خود صحیح حکمِ شرعی کو تلاش کرے یا جو فقہا قابلِ تقلید ہوں ان میں سے کسی کی تقلید کرے۔

شیخ محمود شلتوت مرحوم نے فتویٰ دیا تھا کہ تمام مسلمان "اُمّتِ واحدہ" ہیں اور مسلمانوں میں اختلاف صرف اجتہادی و فتوائی اختلاف ہے چنانچہ مرحوم شلتوت فرماتے ہیں۔

۱۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو کسی معیّن مذہب کا پابند نہیں بناتا بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ابتدا میں ہر مسلمان کو حق ہے کہ جتنے مذاہب صحیح طریقہ سے منقول ہیں اور ان کے احکام مخصوص کتابوں میں مدون ہیں ان میں سے کسی بھی مذہب کو اختیار کر سکتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ وہ اگر کسی ایک مذہب کا پابند ہے اور اس کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ مذہبِ جعفری جو مذہبِ شیعہ امامیہ اثنا عشری کے نام سے مشہور ہے۔ شرعاً اس مذہب کو اختیار کیا جا سکتا ہے، جس طرح کسی بھی سنّی مذہب کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانو کو یہ بات جان لینی چاہئے اور تعصب سے پرہیز کرنا چاہئے۔ نہ تو خدا کا دین اور نہ اس کی شریعت کسی معیّن مذہب کی تابع ہے اور نہ کسی ایک مذہب کے لئے مخصوص ہے۔

سب ہی مجتہد ہیں اور خدا کے نزدیک سب ہی مقبول ہیں۔ لہٰذا جو مجتہد نہیں ہے وہ ان مذاہب میں سے کسی بھی مذہب کی تقلید کر کے اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں عبادات و معاملات میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔"[۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی بھی مختلف فقہی آراء اس وقت موجود ہیں یہ فقہاء و مجتہدین کی آراء ہیں جن کا ان لوگوں نے اپنے اجتہاد سے استنباط کیا ہے۔ اس لئے ہمارے اوپر واجب ہے کہ جن فتاویٰ میں اختلاف ہے ان میں خوب غور و فکر کے بعد یہ پتہ لگائیں کہ کون سا فتویٰ صحیح دلیل اور فہم سلیم سے ماخوذ ہے تاکہ اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔

سوال نمبر۱۔۔ درجِ ذیل عبارتوں کو مکمل کیجئے؟

(الف): مذہبِ اہلِ بیت کا نام مذہبِ جعفری ..... رکھا گیا ہے اور اس کو مذہب ..... بھی کہتے ہیں۔

(ب): اسلام کے فقہی مذاہب میں وسعت ..... صدی سے ہوئی ہے۔

(ج): جن بڑے مذاہب کی مسلمان پیروی کرتے ہیں ان میں سے اب صرف مذہب ..... اور مذہب ..... اور مذہب ..... اور مذہب ..... اور مذہب ..... باقی رہ گئے ہیں۔

۱۔ الرسول والشیعہ از حسن سعید ص ۸۵

سوال نمبر۲-- حضرت امام جعفر صادقؑ کے بارے میں بعض علماء کے اقوال نقل کیجئے؟

سوال نمبر۳-- ایک مختصر سا مقالہ لکھئے جس میں مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دیجئے اور اختلاف وافتراق کے نقصانات سے آگاہ کیجئے؟